حُرمتِ سُود

اشکالات کا علمی جائزہ

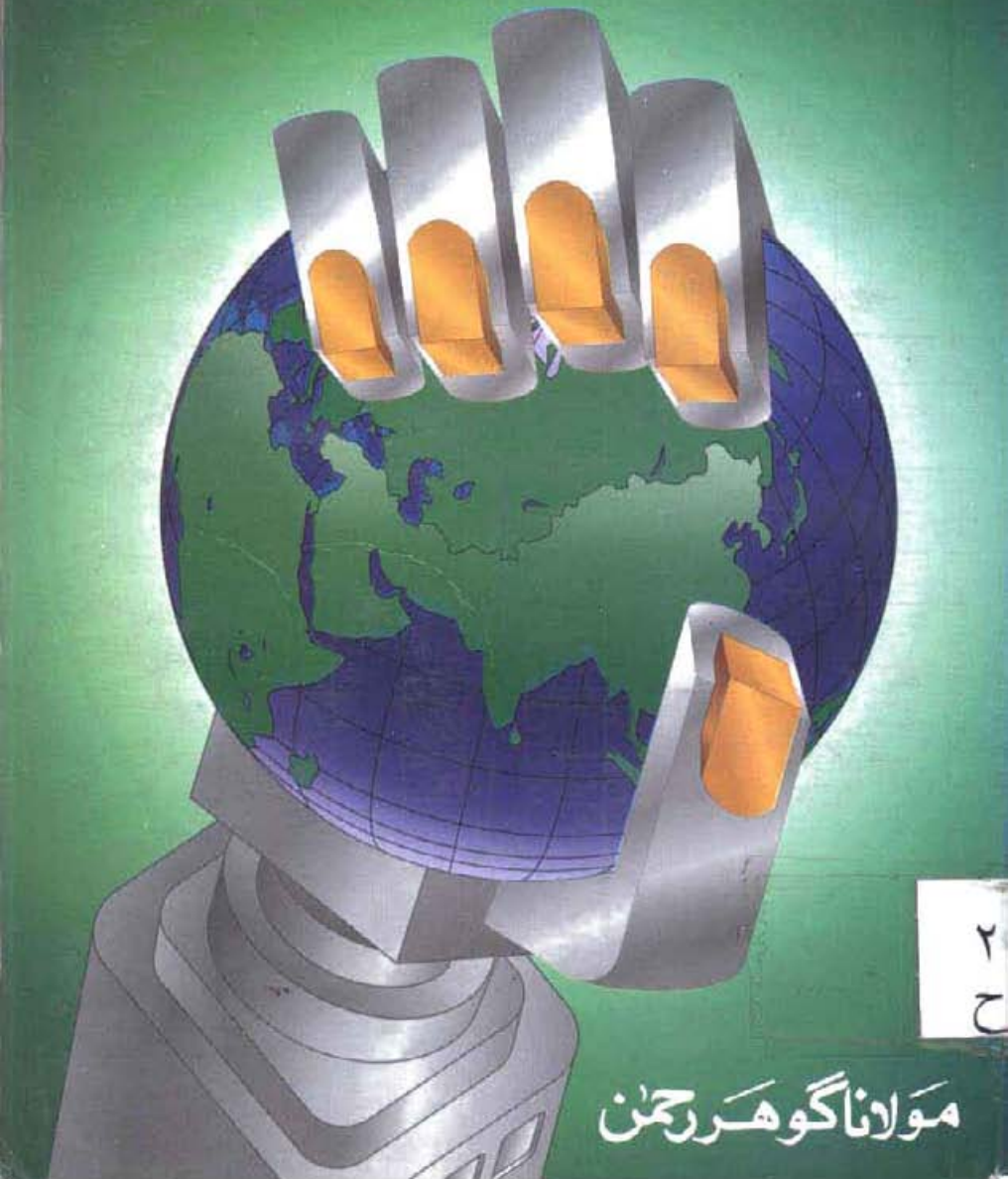

۲
ح

مولانا گوہر رحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

حرمتِ سود ۔ اشکالات کا علمی جائزہ

وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا جواب

مولانا گوہر رحمٰن

ادارۂ معارفِ اسلامی
منصورہ ○ لاہور ○ پاکستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

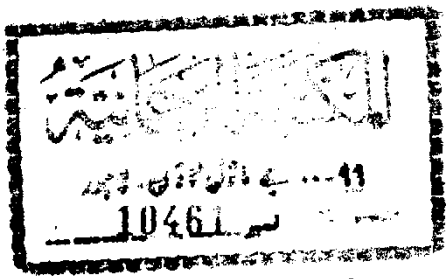

جملہ حقوق بحق ادارہ معارف اسلامی محفوظ ہیں

نام کتاب	حرمت سود اشکالات کا علمی جائزہ
تصنیف	مولانا گوہر الرحمٰن
مطبع	قومی پریس
بار اول	جنوری 1993ء تعداد 1000
بار دوم	جون 1997ء تعداد 1100
قیمت	

مکتبہ معارف اسلامی، منصورہ

ملتان روڈ، لاہور۔ 54570

فون:۔ 448022۔ 447913۔ 7830033

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

ربا کی تعریف ۱۱

* ربا کے لفظی اور لغوی معنی ۱۱
* ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں ۱۲
* ربا کا مفہوم احادیث اور آثار کی روشنی میں ۱۳
* ربا کی تعریف اجماعِ امّت کی روشنی میں ۱۷
* ربا کی تعریف مفسرین و فقہاء کی نظر میں ۱۷
* ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے ۲۰
* ربا حکمی یا ربا خفی یا ربو الفضل ۲۵

غیر سودی بنکاری کی عملی صورت ۲۹

* حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ ۳۳
* بنکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز ۳۵
* نجی اور سرکاری بنکاری میں امتیاز کا مسئلہ ۴۰
* زرِ نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا ربا ہے ۴۰
* اشیائے استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان وجہ امتیاز ۴۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر قرض کی اصل رقم پر نہیں پڑتا ۴۸
* سونے کی قیمتوں اور استعمالی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا اثر ۴۹
* ملکی اور غیر ملکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز ۵۰
* دو مسلم ریاستوں یا مسلم اور غیر مسلم کے مابین سودی کاروبار ۵۰
* مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ ۵۲
* امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے دلائل ۵۳
* علماء دیوبند کا فتویٰ ۶۲
* ائمۂ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل ۶۴

بیمے کا کاروبار سود کے بغیر

* بیمہ کمپنیوں کا مروّجہ نظام سود اور قمار پر مشتمل ہے ۶۷
* بیمے کی جائز صورتیں ۷۳

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹس

* انعامی بانڈز ۷۹ ۸۲

تجارتی قرضے اور غیر تجارتی قرضے

* عام کی تعریف ۸۵
* بچت پر ابھارنے اور کفایت شعاری کے محرکات ۸۶
* ٹیکس لگانے کا مسئلہ ۹۱ ۹۲

بین الاقوامی سودی معاہدے ۹۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* بین الاقوامی ربا کے بارے میں تنقیح طلب امور ۹۴
* حرمتِ ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں ۹۶
* حرمتِ ربا کے بارے میں احادیثِ نبویہؐ ۹۷
* قرآن و سنت کے عام حکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں ہے ۱۰۸
* عام کی فقہی تعریف ۱۰۹
* اسلامی حکومت قومی اور بین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے ۱۱۳
* غیر مسلموں کے ساتھ غیر شرعی کاروبار ۱۱۴
مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ ۱۱۸
* دارالحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء ۱۱۹
* دارالحرب میں جوازِ ربا کے مبینہ دلائل ۱۶۳
* علماء دیوبند کا فتویٰ ۱۴۵
* سودی معاہدوں کی شرعی حیثیت نہیں ہے ۱۴۶
* کیا بین الاقوامی سودی معاہدے نظریۂ ضرورت کے تحت جائز ہیں؟ ۱۵۳
* بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے ۱۶۰
* مولانا مودودیؒ کی رائے ۱۶۱
* سودی معاہدوں اور ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سنت کے خلاف ہے ۱۶۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

کچھ عرصہ پہلے وفاقی شرعی عدالت نے بیں سودی قوانین کا قرآن سنت کی روشنی میں جائزہ لینے کے سلسلے میں ایک سوالنامہ جاری کیا تھا جس کے ذریعے ملک کے معروف علماء و ماہرین معیشت اور ماہرین قانون سے ربا (سود) کی تعریف' غیر سودی بنکاری کی عملی صورت' حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کے مسئلہ' بینکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز' نجی سرکاری بنکاری میں امتیاز کے مسئلہ' زر نقد کے استعمال پر معاوضہ لینے کے مسئلہ کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات' ملکی اور غیر ملکی تجارت کو کامیابی سے چلانے کے سلسلے میں تجاویز' دو مسلم ریاستوں یا مسلم و غیر مسلم ریاست کے مابین سودی کاروبار' مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ' بنکے کے کاروبار کو سود کے بغیر چلانے کے امکان اور اس کی جائز صورتوں' پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر نفع' انعامی بانڈ' تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں' بچت پر ابھارنے اور کفائت شعاری کے محرکات' اور بین الاقوامی سودی معاہدوں وغیرہ کے بارے میں ان کی ماہرانہ آراء اور متبادل تجاویز طلب کی تھیں۔ ملک کے نامور فقیہ اور شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا گوہر الرحمان صاحب صدر مدرس و مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن مردان نے اس سوالنامے کا نہائت وقیع اور تحقیقی جواب دیا تھا اور قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں تمام سوالات کے شافی اور مدلل جوابات مرتب کردیئے تھے۔

اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اپنی ماہرانہ آراء دینے اور متبادل تجاویز پیش کرنے کے بعد حضرت مولانا گوہرالرحمان دامت برکاتہم نے واضح طور پر لکھا تھا کہ پاکستان کے قانون میں سودی معاہدوں کو باقی رکھنے اور آئندہ کے لئے بھی سودی معاہدے کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گنجائش رکھنا اسلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور اسلام نے قرض لے کر کام چلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حوصلہ شکنی کی ہے۔ لہٰذا شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ خود انحصاری اور اپنے پاؤں چادر کے مطابق پھیلانے کی روش اختیار کی جائے۔ غیر ملکی سودی قرضوں نے صرف ہماری معیشت ہی کو غیر متوازن نہیں بنایا' بلکہ ہماری سیاست کو بھی ان قرضوں کے پھندوں میں پھنسا دیا ہے۔ لہٰذا وفاقی شرعی عدالت ان پھندوں کو توڑنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے نومبر 1991ء میں معرکہ آراء فیصلہ صادر کر دیا اور سودی قوانین کو خلاف اسلام قرار دے کر حکومت پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ تیس جون ۹۲ تک تمام سودی معاملات سے سود کو ختم کر کے غیر سودی متبادل نظام کو جاری کرے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ تاریخ کے بعد سودی لین دین سے متعلق تمام قوانین غیر موثر ہو جائیں گے۔ افسوس ہے کہ حکومت نے اس فیصلے پر عملدرآمد کرنے کے بجائے اس کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ میں اپیل دائر کر دی جو ابھی تک معرض التواء میں پڑی ہے۔

حضرت مولانا گوہر الرحمان صاحب کے ان مدلل اور تحقیقی جوابات کو ادارہ معارف اسلامی نے جنوری ۱۹۹۳ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

محمد اسلم سلیمی

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNAT.COM

ربا کی تعریف

(۱) قرآن وسنت کے مطابق ربا کی تعریف کیا ہے؟ کیا یہ دورِ جدید کے مالیاتی معاملات کے سودِ مفرد اور سودِ مرکب پر مشتمل ہے؟

جواب: "قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت و مہلت کے مقابلے میں بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے"۔ اور یہ تعریف دورِ جدید کے سودِ مفرد اور سودِ مرکب پر یقیناً صادق آتی ہے۔ اصل راس المال پر ایک پیسے کا اضافہ لیا جائے یا کئی کئی گنا اضافہ لیا جائے وہ ربا ہے، جبکہ اس اضافے کی شرط معاہدے کے وقت لگائی گئی ہو۔ اس جواب کی تفصیل اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) ربا کے لفظی اور لغوی معنے:

عربی زبان میں لفظ ربا کے لغوی معنے ہیں زیادت، اضافہ اور بڑھوتری۔ یہ لفظ قرآنِ کریم میں بھی زیادت اور نما کے معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "ویربی الصدقات" اور بڑھاتا ہے وہ صدقات کو" (البقرہ ۲: ۲۷۶)

"فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ" (پس جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے) (الحج آیت نمبر ۵)

ربوۃ اونچی جگہ کے معنوں میں آیا ہے۔ (المؤمنون : ۵۰)

رابیۃ سیلاب پر رونما ہونے والا جھاگ (الحاقہ ۱۰:)

ائمۂ لغت نے بھی ربا کے یہی معنے بیان کیے ہیں۔ علامہ جوہریؒ (متوفی ۳۹۳ھ) اور علامہ ابنِ منظور افریقیؒ (متوفی ۷۱۱ھ) دونوں نے لکھا ہے:

رَبَا الشَّيْءُ يَرْبُو رَبْواً (رُبُوّاً و رِبَاءً) اے زاد

(کوئی چیز بڑھ گئی، بڑھ رہی ہے، بڑھنے کے ساتھ یعنی زیادہ ہو گئی ہے[1])

(ب) ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں:

ظاہر ہے کہ ہر قسم کا اضافہ اور نفع تو حرام نہیں ہے۔ بیع مرابحہ میں بھی اصل قیمت خرید پر نفع لیا جاتا ہے جو حلال ہے۔ اس لیے کہ یہ چیز کی قیمت میں اضافہ ہے۔ قرض پر اضافہ نہیں ہے، تو ربا کا شرعی مفہوم معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآنِ کریم سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے! قرآن کریم میں مادہ پرستوں اور سود خوروں کا قول نقل ہوا ہے:

"إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (البقرہ : ۲۷۵)

(بیع بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے)

مال کے بدلے مال کے معاہدے کو بیع کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کو بیع کے مقابلے میں ذکر کیا ہے تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ ربا کی صورت میں راس المال پر جو اضافہ لیا جاتا ہے یہ بیع نہیں ہے، یعنی مال کے بدلے مال کا معاملہ نہیں ہے تو پھر یہ

---

[1] الصحاح للجوہری طبع بیروت ۱۹۸۴ء ص ۲۳۴۹ جلد ۶
لسان العرب للافریقی طبع بیروت ص ۳۰۴ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زائد مال کس چیز کے بدلے میں لیا اور دیا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہم کو اگلی آیات میں بڑی صراحت اور آسانی کے ساتھ مل گیا ہے :

"وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ .... وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ - وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ" (البقرہ ۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰)

(اور چھوڑ دو جو کچھ بقایا ہے سود کا اگر تم مومن ہو..... اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہیں گے تم کو تمہارے اصل اموال نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور اگر وہ تنگدست ہو (مقروض) تو اس کو مہلت دینی ہوگی آسودہ حالی تک)

"اصل اموال" "اگر وہ تنگدست ہو" اور "اس کو مہلت دینی ہوگی" یہ الفاظ بغیر کسی ابہام کے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ربا کا مال مہلت اور مدت کے بدلے میں لیا جاتا ہے۔ ان آیات میں تدبر کرنے سے ربا کی شرعی تعریف یہ قرار پاتی ہے کہ "قرض کے اصل مال پر جو زائد رقم مدت کے بدلے میں لی جاتی ہے وہ ربا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس زائد رقم کو حرام قرار دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس زائد رقم کو جو تم مہلت کے بدلے میں لیتے ہو چھوڑ دو اور اصل مال وصول کر لو۔ مقروض اگر نادار ہو تو بہتر یہ ہے کہ اصل مال بھی معاف کر دو، لیکن اگر ایسا نہ کر سکو تو کشادہ دستی تک مہلت دینا تم پر لازم ہے اور یہ مہلت نادار مقروض کا حق ہے جو تمہیں دینا پڑے گا!

(ج) ربا کا مفہوم احادیث و آثار کی روشنی میں :

ربا کے یہی شرعی معنے جو قرآن کریم کی درج بالا آیات سے معلوم ہوتے ہیں۔ احادیث و آثار سے بھی ثابت ہوتے ہیں جو قرآن کی تعبیر و تشریح کا مستند ذریعہ ہیں :

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) "عن عمارۃ الہمدانیؒ سمعتُ علیاًؓ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا۔"

(حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے)[۱]

اصل میں یہ حدیث حارث بن محمد بن ابی اسامہ التمیمی البغدادی (متوفی ۲۸۲ھ) کی کتاب "مسند حارث" میں سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ نے المطالب العالیہ کی تعلیق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسند حارث کے مخطوط کے صفحہ نمبر ۳۰۸ جلد ۱ پر موجود ہے۔ اس کی سند میں سوار بن مُصعب نامی ایک راوی آیا ہے جو ضعیف اور غیر ثقہ راوی ہے۔

امام بخاریؒ نے اسے "منکر الحدیث" (کاف کی زبر کے ساتھ) کہا ہے[۲]

نسائی، ابوداؤد، احمد بن حنبلؒ، یحیی بن سعید قطانؒ اور دار قطنی نے بھی اسے متروک اور غیر ثقہ کہا ہے[۳]

لیکن ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام الحرمین اور امام غزالیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے[۴]

---

[۱] المطالب العالیہ از ابن حجر طبع بیروت ص ۴۱۱ جلد ۱، رقم الحدیث ۱۳۷۳ بحوالہ مسند حارث۔ کنز العمال از علی المتقی ص ۲۳۸ جلد ۶ حدیث نمبر ۱۵۵۱۶۔ الجامع الصغیر از سیوطیؒ ص ۹۴ جلد ۲۔ [۲] تاریخ کبیر از بخاری ص ۶۹ جلد ۴ نمبر ۲۳۵۹

[۳] کتاب الضعفاء از ابن جوزیؒ طبع بیروت ۱۹۸۶ء ص ۳۱ جلد ۲، ۳
میزان الاعتدال از ذہبی ص ۲۴۶ جلد ۲

[۴] التلخیص الحبیر از ابن حجرؒ طبع سائکلہ بل پاکستان ص ۳۴ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیوطی کی جامع صغیر کے شارح عزیزیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، یعنی شواہد کی وجہ سے قابلِ قبول ہے۔[1]

محدثین کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جس حدیث کے دوسرے اسانید کے ساتھ شواہد موجود ہوں، یعنی اس مفہوم کی دوسری روایات موجود ہوں اگرچہ صحابہؓ کے اقوال ہوں اور سلف و ائمہ مجتہدینؒ کے ہاں اس حدیث کو تلقّی بالقبول حاصل ہو، یعنی انہوں نے اس حدیث کو دلیل بنایا ہو، تو وہ سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابلِ استدلال ہوتی ہے۔ اب اس حدیث کے کچھ شواہد ملاحظہ کیجیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث سنداً اور روایتاً ضعیف ہونے کے باوجود معنیً اور درایتاً قابلِ قبول ہے جبکہ اس کا مفہوم قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرض کی اصل رقم پر اضافے کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔

(۲) "عن فضالة بن عُبید قال کل قرض جرّ منفعةً فھو وجه مِن وجوہ الربا"[2]

(حضرت فضالہؓ (صحابی فرماتے ہیں کہ جو قرض نفع کھینچتا ہے وہ سود کی ایک قسم ہے)

(۳-۴-۵-۶-۷)

امام بیہقیؒ نے "کلّ قرض جرّ منفعةً" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن سلامؓ سے روایات نقل کی ہیں (موقوف روایات) جن کا مفہوم یہ ہے کہ قرض پر نفع لینا سود ہے۔ (ص ۳۴۹-۳۵۰- جلد ۵)

(۸) اِنّ رجلاً اتٰی عبداللہ بن عمرؓ فقال یا ابا عبدالرحمٰن انی اسلفتُ

---

[1] اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص۴۹۹ جلد ۱۴ بحوالہ عزیزی ص۸۷ جلد ۳

[2] سُنن کبریٰ للبیہقی ص۳۵۰ جلد ۵ و نصب الرایہ ص۶۰ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجلاً سلفاً و اشترطتُ علیه افضل مما اسلفتہٗ فقال عبداللہ بن عمرؓ فذالکَ الربا۔"[1]

(ایک شخص ابنِ عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ مَیں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے مگر یہ شرط لگائی ہے کہ مجھے اس سے زائد دو گے جو مَیں نے تمہیں دیا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا یہی تو ربا ہے۔)

(۹) "عن زید بن اسلمؒ قال کان الربٰو فی الجاھلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الیٰ اجلٍ فاذا حلَّ الاجلُ قال اتقضی ام تربی فان قضی اَخذہ الا زادہ فی حقہٖ و اخّرعنہ فی الاجل"۔[2]

(زید بن اسلمؒ تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کا دوسرے پر کوئی حق واجب الادا ہوتا جس کی میعاد مقرر ہوتی تھی۔ جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تو دائن اپنے مدیوں کو کہتا حق دیتے ہو یا سود دیتے ہو؟ اگر وہ اصل دے دیتا تو لے لیا جاتا اور اگر وہ ادا نہ کرسکتا تو قرض کی مقدار میں اضافہ کر دیا جاتا اور اس کے بدلے میں مدت بڑھا دی جاتی)

(۱۰، ۱۱) "قال مجاھدؒ ومثلہ قال قتادہؒ کانوا فی الجاھلیۃ یکون للرّجل علی الرّجل الدین فیقول لکَ کذا وکذا و تؤخر عنّی فیؤخر عنہ"۔[3]

(حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہوتا تو مدیون دائن کو کہتا کہ مَیں تم کو اتنی مقدار زائد دوں گا مگر تم مہلت بڑھا دو، چنانچہ وہ اس زائد رقم کے بدلے

---

[1] مؤطا امام مالکؒ طبع قاہرہ باب الربا فی الدین ص ۶۷۲ جلد ۲، [2] مؤطا مالکؒ ص ۶۷۲ جلد ۲ باب الربا [3] تفسیر ابنِ جریر ص ۶۷ جلد ۳ طبع بیروت ۱۹۷۸ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مدت بڑھا دیتا۔)

(د) ربا کی تعریف اجماعِ اُمت کی روشنی میں :

قرآنِ کریم اور احادیث و آثار کی روشنی میں ربا کی مذکورہ تعریف پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے اور اجماع بھی حجتِ شرعیہ ہے۔

ابن عبدالبرؒ (متوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :

"وقد اجمع المسلمون نقلاً عن نبیھم ان اشتراط الزیادۃ فی السلف ربا ولو کان قبضۃً من علفٍ او حبۃً۔" [1]

(مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بنا پر اجماع کر لیا ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے، اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس (جانوروں کے لیے چارہ) ہو یا ایک حبّہ (دانہ) ہو)

ابن رشد نے بھی اس تعریف کو اجماعی کہا ہے[2]

(ھ) ربا کی تعریف مفسّرین اور فقہاء کی نظر میں :

قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ ربا کی مذکورہ تعریف مفسّرین اور فقہاء نے بھی نقل کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمایئے :

(۱) امام المفسّرین محمد بن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر "جامع البیان عن تاویل آیِ القرآن" میں لکھتے ہیں جو اُمّ التفاسیر کہلاتی ہے :

"وحرّم الزیادۃ التی یُزاد ربُّ المال بسبب زیادتہ غریمہ فی الاجل

---

[1] التمہید لابن عبدالبر طبع لاہور ۱۹۸۳ء صـ۶۸ جلد ۴

[2] بدایۃ المجتہد، صـ۱۲۷ جلد ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتاخيره دينه عليه" [1]

(حرام کردہ سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو مال کے مالک (دائن) کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے مقروض کے لیے مدت بڑھا دی ہے اور اپنے قرض کی وصولی مؤخر کر دی ہے۔)

(۲) امام طحاویؒ (متوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ مدیون دائن کو کہتا:

" أجلني منه الى كذا وكذا بكذا وكذا درهما ازيدكها في دينك" [2]

(مجھے قرض کی ادائیگی میں اتنی مہلت اور دے دو تو میں اتنے روپے تمہارے قرض میں بڑھا دوں گا)

(۳) امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

" وهو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة على المستقرض" [3]

(ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو)

(۴) امام بغوی (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

" إنّ اهل الجاهلية كان احدهم اذا حلّ ماله على غريمه فطالبه فيقول الغريم لصاحب الحق زدني في الاجل حتّى ازيدك في المال فيفعلان ذالك" [4]

(جاہلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی میعاد آجاتی اور وہ اپنے

---

[1] تفسیر ابن جریر ص۱۰۳ جلد ۲ و نحوہٗ فی ص۹۰ جلد ۴ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

[2] شرح معانی الآثار للطحاوی باب الربا ص۲۳۲ جلد ۲

[3] احکام القرآن ص۴۶۹ جلد ۱

[4] معالم التنزیل للبغویؒ طبع ریاض ۱۴۰۹ھ ص۳۴۱ جلد ۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرض کا مطالبہ کرتا تو اس کا مقروض کہتا مدت بڑھا دو تو میں تمہارے قرض میں اضافہ کر دوں گا، چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کر لیتے)

(۵) قاضی ابوبکر ابن عربیؒ (متوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

"وکان الربا معروفاً عندھم یبایع الرجل الرجل الی اجلٍ فاذا حلّ الاجل قال أتقضی ام تُربی.... فحرّم الله الربا.... ان من زعم ان ھٰذہ الآیۃ مجملۃ فلم یَفْھَمْ مقاطع الشریعۃ"[1]

(ربا عربوں کے ہاں ایک معروف چیز تھی۔ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدتِ مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا۔ جب میعاد آجاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا۔ میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو؟ تو اللہ نے سود کو حرام کر دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ربا سے متعلق یہ آیت مجمل ہے تو انہوں نے شریعت کے قطعی اور طے شدہ احکام کو نہیں سمجھا۔)

(۶) امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کا ارشاد ہے:

"واما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھوراً متعارفاً بینھم فی الجاھلیۃ وذالک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یأخذوا کل شھرٍ قدراً مُعیّنًا ویکون راس المال باقیاً ثم اذا حل الدینُ طالب المدیون براس المال فان تعذّر علیہ الاداء زادوا فی الاجل والحق فھٰذا ھو الربوٰ الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون بہ"[2]

---

[1] احکام القرآن ص ۳۲۰، ۳۲۱ جلد ۱ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

[2] تفسیر کبیر از امام رازی طبع مصر ۱۹۳۸ء ص ۹۱ جلد ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اُدھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں معروف و مشہور تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے کہ اتنی مقدار ماہانہ سُود دینا ہوگا اور اصل رقم بدستور باقی رہے گی۔ جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے۔)

اس بحث سے ربا کی وہی تعریف سامنے آجاتی ہے جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے یعنی یہ کہ قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔

ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے :

ربا کی یہ تعریف سود مفرد اور سود مرکب دونوں پر صادق آتی ہے اور دونوں حرام ہیں۔ حرم الربا میں لفظ ربا عام ہے جس میں تخصیص اور استثنا کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ عدم تخصیص کی دلیل موجود ہے اور وہ ہے : فان تبتم فلکم رؤس اموالکم۔ اس آیت میں صرف راس المال ہی کو لینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر اضافے کو جائز تسلیم نہیں کیا گیا خواہ وہ اضافہ تھوڑا ہو یا کئی گنا زیادہ ہو۔ اسی طرح کل قرضٍ جرّ نفعاً فھو ربا اور اس مفہوم کی دوسری روایات میں ہر قسم کے نفع کو جو قرض کی اصل رقم پر لیا جائے اُسے سود قرار دیا گیا ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب ہو۔ باقی رہی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ جس میں آیا ہے کہ "اے ایمان والو! مت کھاؤ سود کئی کئی گنا بڑھا کر" تو یہ قید حرمت کی شکل نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے کہ عربوں میں یہ جُرمِ عظیم رائج تھا کہ مقروض پر عائد کردہ سود بعض اوقات اضعافاً مضاعفۃ تک پہنچ جاتا۔ اس کے علاوہ سورۃ آل عمران

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی یہ آیت سورۃ البقرہ کی آیات سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورۃ بقرہ کی آیات آخر میں نازل ہوئی تھیں جن میں مطلق ربا کو حرام کیا گیا ہے، تھوڑا بہت یا زیادہ اصل میں ربا کی حرمت کے احکام شراب کے احکام کی طرح تدریجاً نازل ہوئے تھے۔ پہلی آیت جس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ سود میں برکت نہیں ہے اور یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے مکہ میں نازل ہوئی تھی جو یہ ہے:

"وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ"

(الروم ۳۹)

(اور جو کچھ دیتے ہو تم ربا میں سے تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے پس وہ نہیں بڑھ سکتا اللہ کے دربار میں اور جو کچھ دیتے ہو تم صدقے میں سے جس سے اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو تو ایسے ہی لوگ بڑھانے والے ہیں اپنے اموال کو)

ربا کا لفظ اس آیت میں اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے جس میں اصطلاحی سود بھی شامل ہے اور وہ تحفہ بھی اس میں شامل ہے جو برادری اور دوستوں کی تقریبات میں دیا جاتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں زیادہ مل جائے جسے عرفِ عام میں نیوتہ کہا جاتا ہے۔ عام مفسرین نے تو اس جگہ ربا سے یہی نیوتہ مراد لیا ہے، لیکن حسن بصریؒ اور سُدّیؒ نے متعارف سود ہی مراد لیا ہے۔ روح المعانی اور تفسیر نیشاپوری میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اس آیت میں سود کی برائی تو بیان کی گئی ہے، لیکن قطعی طور پر اسے حرام نہیں کیا گیا۔ صرف نفرت دلائی گئی ہے، تاکہ لوگ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہو جائیں۔

دوسری آیت سورۃ النساء کی ہے جو مدنی سورۃ ہے۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہودیوں پر عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سود کھاتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں سُود کی مزید نفرت پیدا کی گئی تاکہ وہ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہوجائیں:

"وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا۔" (النساء ۴- ۱۶۱)

(یہ سزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

تیسری آیت سورۃ آل عمران کی ہے اور یہ بھی مدنی سورت ہے۔ اس میں سود مرکب کی ممانعت کی گئی ہے کہ یہ ظلم عظیم تو نہ کرو کہ کئی کئی گنا بڑھا کر سود کھاتے ہو۔ گندگی کی تھوڑی مقدار بھی غلاظت ہے اور قبیح ہے، مگر جب اس غلاظت کو بڑی مقدار میں کھایا جائے تو یہ خباثت کی انتہا ہے۔ غریب کے خون کا ایک قطرہ چوسنا بھی ظلم ہے، لیکن جب اس کے خون کی بڑی مقدار چوسنے کی عادت پڑ جائے تو یہ ظلم کی انتہا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔" (آل عمران ۳- ۱۳۰)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، مت کھاؤ سود کئی کئی گنا بڑھا کر اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

چوتھے اور آخری مرحلے پر سورۃ بقرہ کی سات آیات نازل ہوئی تھیں جن کے درمیان ایک آیت زکوٰۃ کے بارے میں ہے اور آخری آیت میں خوفِ خدا اور فکرِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان سات آیات کو نقل کر دیا جائے جو یہ ہیں:

" اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ "

(البقرہ - آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱)

(جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جس طرح کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے خبطی بنا دیا ہو شیطان نے دیوانہ بنا کر۔ اس لیے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کو بھی یہ نصیحت پہنچ گئی اس کے رب کی جانب سے اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو کوئی دوبارہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پلٹ جائے تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
اللہ سود سے برکت مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ
پسند نہیں کرتا ہر ناشکرے گنہگار کو۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے
ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں اور نماز قائم کی ہے اور زکوٰۃ
دی ہے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ نہ ان
پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے
ہو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ بھی باقی ہو سود میں سے، اگر تم مومن
ہو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تیار ہو جاؤ جنگ کے لیے اللہ اور
اُس کے رسُول کی جانب سے اور اگر تم نے توبہ کر لی ہو تو ملیں گے
تم کو تمہارے اصل مال۔ نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔
اور اگر وہ تنگدست ہو تو اس کے لیے مُہلت ہے آسودہ حالی تک
اور اگر معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے
ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دے دیا
جائے گا ہر شخص کو اس کے اس عمل کا جو اُس نے کیا ہو اور اُن پر
ظلم نہ ہوگا۔)

ان آیات میں وہ آخری اور حتمی حُکم بیان ہوا ہے کہ جس میں مفرد اور مرکب سُود کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ سود کا بقایا اگر ایک حبہ بھی ہو تو اُسے بھی لینا جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ قطعی اور حتمی حُکم وہی ہوتا ہے جو آخری ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"آخر آیۃ نزلت علی النبیؐ آیۃ الربا"[1]

---

[1] بخاری شریف کتاب التفسیر واتقوا یوماً۔ البقرہ ۲۸۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(آخری آیت جو نبیؐ پر نازل ہوئی تھی وہ ربا کی حرمت کی آیت ہے)

اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ سُورۂ بقرہ کی آیات دربارۂ حرمت ربا اس بارے میں آخری آیات ہیں جو اس موضوع پر باقی تمام روایات پر حاوی ہیں اور ان میں ہر نوع کے سود کو حرام کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ اضعافاً مضعفۃ کی قید کو سود مفرد کے جواز کی دلیل بناتے ہیں ان کی مثال اس بے وقوف شخص کی طرح ہوگی جو لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکارٰی کو اس بات کی دلیل بناتا ہو کہ شراب پینا صرف نماز کے اوقات میں حرام ہے، دوسرے اوقات میں حرام نہیں ہے۔ اس لیے کہ شراب پینے اور نشہ آور چیز کے استعمال کو صرف نماز کے اوقات میں منع کیا گیا ہے، تو ایسا شخص یا تو دانستہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہوگا یا پھر اسے اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً نازل ہوا تھا۔ ایک مرحلے میں صرف نماز کے اوقات میں نشہ حرام تھا، مگر آخری اور حتمی حکم تو یہ آیا تھا کہ شراب گندی چیز ہے اس سے دُور رہو۔ اسی طرح سود کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے تھے، مگر آخری اور حتمی حکم ہر قسم کے سود کی حرمت کا تھا جو اب قیامت تک باقی ہے، جسے کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے نہ ختم کر سکتا ہے اور نہ اس میں ترمیم و تخفیف کر سکتا ہے۔

رِبا جَلّی یا رِبا خَفی یا ربوا الفضل:

ربا کی جو تعریف سطور مذکورہ میں کی گئی ہے یہ اس ربا کی تعریف ہے جس کی حرمت قرآنِ کریم کی مذکورہ آٹھ آیات سے ثابت ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجمال بھی نہیں ہے اور یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں معروف و مشہور تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے، صرف سود کا ذریعہ نہیں ہے اور اس کا مشہور نام ربا النسیئہ ہے، اس لیے کہ یہ سود ادھار پر لیا جاتا ہے۔

لیکن ربا کی ایک اور قسم بھی ہے جسے ربا حکمی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس پر ربا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسے ربا خفی بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ کھلا سود نہیں ہے، بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ ہے اور اسے ربا الفضل بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس میں دست بدست بیع میں بھی ایک جانب سے زیادت اور اضافہ ممنوع ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں احادیث کی تعداد تو زیادہ ہے مگر ایک حدیث بطور نمونہ عرض خدمت ہے: "عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الذھبُ بالذّھبِ والفضۃ بالفضۃ والتمر بالتمر والبُرُّ بالبُرِّ والشعیر بالشعیر والملح بالملح مثلاً بمثلٍ یداً بیدٍ فمن زاد او استزاد فقد اربیٰ الآخذ والمعطی فیہ سواء"[1]

(سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں اور نمک نمک کے بدلے میں بیچے جا سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہوں۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو سود کا لین دین کیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الصرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان چھ چیزوں میں ادھار لین دین تو اس حدیث کی بنا پہ جائز ہی نہیں ہے اور اگر معاملہ دست بدست کا ہو تو پھر ایک ہی جنس کے تبادلے میں ایک طرف سے اضافہ ممنوع ہے، البتہ اگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کا تبادلہ جَو سے یا سونے کا تبادلہ چاندی سے ہو تو پھر اضافہ جائز ہے، مگر اُدھار پھر بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"فاذا اختلفت الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید"

(جب چیزوں کی اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو، بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو)

ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت و حکمت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے اور سودی ذہنیت، کا انسداد ہے، تاکہ اسے حقیقی سود یعنی ربا النسیۃ کا ذریعہ نہ بنا سکیں۔ یہی حکمت حضرت عمرؓ نے بیان فرمائی ہے کہ:

"سونا سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر اور ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ چاندی چاندی کے بدلے میں نہ بیچو، مگر برابر برابر۔ ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ اور چاندی سونے کے بدلے میں ادھار نہ بیچو کہ ایک طرف سے ادھار ہو اور دوسری طرف سے نقد ہو۔ اگر تم سے گھر تک مُہلت مانگی جاتے تو اتنی مُہلت بھی نہ دو، اس لیے کہ: "انی اخاف علیکم الرماء والرماء الربا" (مجھے خطرہ ہے کہ اس طرح تم کہیں حقیقی سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ)[۲]

---

[۱] مسلم باب الصرف

[۲] موطا امام مالکؒ فی البیوع باب الذھب بالذھب ص ۶۳۴ جلد ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں :

" الربا نوعان نوع محرم لما فیہ من المفسدۃ وھو ربا النسیئة ونوع محرم تحریم الوسائل وسدا للذرائع "[1]

(ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربا النسیئہ جو ذاتی خرابی کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو اس لیے حرام کی گئی ہے کہ یہ ربا النسیئہ کا ذریعہ بن سکتی ہے)

❖❖❖❖❖

---

[1] اعلام الموقعین بیروت ص ۱۶۷ و ۲۴۴ جلد ۲ والموافقات للشاطبیؒ ص ۴۰ تا ۴۲ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر سُودی بنکاری کی عملی صُورت

سوال: غیر سودی بنک کے قیام کی صورت میں بنکوں کے معاملات کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کی عملی صورت کیا ہوگی؟

جواب:

(الف) پہلا قدم تو یہ اٹھانا ہوگا کہ مُلک کی تمام معاشی سرگرمیوں سے سود کو قانوناً ختم کر دیا جائے۔ سود کے دروازے چوپٹ کھُلے رکھ کر غیر سودی بنکاری کی عملی صورتیں تلاش کرنا نہ عقل و خرد کا تقاضا ہے اور نہ شریعت کا تقاضا ہے۔ جب تک سود خوروں کو مُلکی قانون اور عدالتوں کی مدد حاصل ہے اس وقت تک غیر سودی نظامِ مالیات وجود میں نہیں آسکتا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فاضل عدالت حُکم صادر فرمادے کہ سود اسلام میں حرام ہے اور تمام وہ قوانین (ناموں کے تعیّن کے ساتھ) اور قواعد و ضوابط اسلامی احکام کے خلاف ہیں جن کی بنا پر مُلک میں سودی لین دین ہوتا ہے۔ حُکومت کو ایک متعیّن مُدت دے دی جائے کہ اس کے بعد یہ سارے قوانین کالعدم ہو جائیں گے اور عدالتیں تمام مالی امور کے فیصلے شرعی احکام کے مطابق دینے کی قانوناً بھی مجاز ہوں گی۔ یہ مُدت زیادہ طویل نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ حُکومت کو پہلے ہی ۴۴ سال کی مُدت مل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکی ہے اور عملی خاکے تیار ہو چکے ہیں۔

(ب) غیر سودی بنکاری کے اجرا اور بنکوں کے نظام کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کا مثالی اور بہترین طریقہ تو شراکت اور مضاربت کا نظام ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس سلسلے میں بڑا مفید کام کیا ہے۔ اُس نے سودی نظام کے خاتمے کے لیے اپنی حتمی رپورٹ جون ۱۹۸۰ء میں صدرِ مملکت کی خدمت میں پیش بھی کر دی تھی، مگر افسوس ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ پی۔ ایل۔ ایس کا جو سسٹم بنکوں میں چل رہا ہے اس میں بھی سود شامل ہے اور یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے مطابق نہیں ہے۔ شرکت و مضاربت کے تفصیلی احکام جو ہر دور میں قابلِ عمل ہیں حدیث و فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس موضوع پر بھی اپنی معروضات اور خدمات پیش کر سکتا ہوں۔ انشاء اللہ مگر اس سلسلے میں پہلے مسلم ماہرینِ معاشیات کافی کام کر چکے ہیں۔

(ج) عقدِ بیع میں ادھار کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ربٰو نہیں ہے اور جائز ہے، بشرطیکہ قیمت کا تعین معاہدۂ بیع کے وقت وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا ہو اور میعاد میں اضافے کے ساتھ قیمت میں مزید اضافہ نہ کیا جائے، یعنی مارک اپ پر مارک اپ کا سسٹم نہ ہو۔ اگر مشتری میعاد پر قیمت ادا نہ کر سکے تو پھر بھی قیمت وہی ہو جو عقدِ بیع کے وقت طے کی گئی تھی۔ نقد کے مقابلے میں ادھار قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ قرض میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ قیمت میں اضافہ ہوتا ہے جو ربٰو نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور جائز ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بیع مؤجل کا جو جائز طریقہ تجویز کیا تھا، حکومت نے اس پر عمل نہیں کیا اور غیر سودی کاروبار کے نام سے سود ہی کی لعنت کو برقرار رکھا ہے۔ (اس موضوع پر میری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک تحریر پہلے سے تیار تھی اس کی فوٹو کاپی ارسالِ خدمت ہے)

(د) ایک معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی رقوم حفاظت کے لیے بطور امانت بنکوں میں رکھتے ہیں۔ ان رقوم کو بنک امانت کی بجائے قرض کے طور پر اپنے پاس رکھے اور مقررہ میعاد پر یا عندالطلب واپس کرنے کی ضمانت دے تو ایسی صورت میں بنک کو حق حاصل ہو گا کہ ان رقوم کو تجارت میں لگائے اور نفع کمائے اور اگر نقصان ہو جائے تو اُسے اپنے دوسرے ذرائع سے پورا کرے، چونکہ یہ رقم لوگوں کے قرضے ہوں گے اور قرضوں پر نفع لینا جائز نہیں ہے، اس لیے نفع میں کھاتہ داروں کا کوئی حصّہ نہیں ہو گا اور ان کا مقصد بھی نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی بچتوں کی حفاظت ان کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ مشہور صحابی زبیرؓ بن عوام جو بدری ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ان کی وفات کے وقت ۲۲ لاکھ درہم کا قرضہ ان کے ذمّے واجب الاداء تھا۔ اس قرض کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں :

" إنما كان دينه الذي عليه أن الرجل يأتي بالمال فيستودعه إياه فيقول الزبيرؓ لا ولكنه سلف فإني أخشى عليه الضيعة " [1]

(ان پر جو قرض تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص اپنا مال لے کر آتا اور کہتا کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ لو، مگر حضرت زبیرؓ فرماتے نہیں یہ قرض ہو گا، کیونکہ مجھے اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے)

ابن حجر عسقلانی نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ قرض بنا کر اس

---

[1] بخاری ابواب الخمس باب برکۃ الغازی فی مالہ نمبر ۲۹۶۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال کا تحفظ کیا جائے اور مالک کو اطمینان حاصل ہو جائے اس لیے کہ قرض بہر صورت واجب الادا ہوتا ہے اور امانت کے ضائع ہو جانے پر اس کا عوض واجب نہیں ہوتا، بشرطیکہ حفاظت میں غفلت نہ برتی گئی ہو۔ اور دوسری وجہ ابن بطّال کے حوالے سے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس مال سے تجارت کرنا اور نفع کمانا حضرت زبیرؓ کے لیے جائز ہو جائے۔[1]

قرض کھاتے میں بڑی مقدار میں رقوم بنکوں کو مل سکتی ہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"جدید بنکوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ عند الطلب کھاتوں میں (جن پر سود نہیں دیا جاتا) جمع کی جانے والی رقوم بحیثیتِ مجموعی ان طویل المدت رقوم سے زیادہ ہوتی ہیں جو بچت کھاتے میں جمع ہوتی ہیں۔"[2]

اسی صفحے کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

"۱۹۵۸ء میں برطانیہ کے تجارتی بنکوں کے مجموعی کھاتوں کا ۶۰ فیصد حصہ عند الطلب کھاتوں پر مشتمل تھا اور ۴۰ فیصد طویل المیعاد کھاتوں پر۔ امریکہ میں بھی دونوں کھاتوں کے درمیان یہی تناسب ہے۔"

قرض کھاتے سے حاصل شدہ تجارتی نفع کا ایک حصہ ریزرو رکھا جا سکتا ہے جس سے عند الطلب قرضوں کی ادائیگی بھی ہو سکے گی اور ان کھاتوں پر بنک کے آنے والے اخراجات بھی پورے ہو سکتے ہیں، بلکہ اس نظام سے عوام اور حکومت کو غیر سودی قرضے بھی دیے جا سکیں گے۔

---

[1] فتح الباری طبع مصر ۱۹۵۹ء صہ ۳۸ جلد ۷ ابواب الخمس

[2] غیر سودی بنکاری ص ۵۹، ۶۰ بحوالہ ریڈ کلف کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۹ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ھ) غیر سودی بنک اسی طرح جائز خدمات پر معاوضہ وصول کر سکیں گے جس طرح آج بھی بالمعاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس مد سے بھی بنک کو کافی آمدنی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سود کے راستے کلی طور پر بند کر دیے جائیں گے تو غیر سودی راستے خود بخود سامنے آتے رہیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ عزم بھی ہو اور اخلاص بھی ہو۔

حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ

(الف) کیا قومی ضروریات کی تکمیل کے لیے حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر نفع ربا کے ضمن میں آتا ہے؟

جواب: یقیناً ربا کے ضمن میں آتا ہے۔ "وحرّم الربا، وذروا ما بقی من الربا" اور "کل قرض جرّ منفعة فھو ربا" یہ شرعی نصوص عام ہیں۔ ان میں کسی استثنا کی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ حکومت کا سودی لین دین افراد کے سودی لین دین کے مقابلے میں زیادہ قباحت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ سود سے معیشت کو پاک کرے اور جب یہ خود اس میں ملوث ہو تو عوام کو کس طرح اس لعنت سے روک سکے گی! اس کے علاوہ یہ قانونی نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حکومت دراصل عوام کی وکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ جو کچھ بھی کرتی ہے عوام کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انہی کے دیے ہوئے اختیارات استعمال کرتی ہے تو جس چیز کی اجازت خود عوام کو حاصل نہ ہو اس کی اجازت حکومت کو کیسے دی جا سکتی ہے؟ جس کام کا حق موکّل کو حاصل نہ ہو اس کا حق وکیل کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ باقی رہیں قومی ضروریات تو ان میں سے کچھ تو قومی محاصل سے پوری کی جائیں گی، کچھ زکوٰۃ و عشر سے پوری کی جائیں گی، کچھ بنکوں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر سودی قرض لے کر پوری کی جاسکتی ہیں اس لیے کہ بنک بھی قرض کھاتوں کی رقوم تجارت میں لگا کر نفع کماتے ہیں لیکن پھر بھی حکومت کو قرضوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر یہ ضرورت پیداواری منصوبوں کے لیے ہو تو حکومت مضاربت اور شرکت کے اصول پر عوام سے اور بنکوں سے سرمایہ حاصل کر سکتی ہے اور ان منصوبوں کے منافع میں سرمایہ فراہم کرنے والوں کو حصہ دار بنا سکتی ہے۔ اور اگر غیر پیداواری منصوبوں کے لیے مثلاً دفاع کے لیے یا عوام کو دوسری سہولتیں فراہم کرنے کے لیے قرض کی حقیقی ضرورت درپیش ہو تو وہ جب عوام سے اپیل کرے گی تو امید ہے کہ لوگ رضا کارانہ طور پر غیر سودی قرضے دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنی فاضل دولت حفاظت کے لیے بنکوں کو دیتے ہیں تو قومی ضرورت کے لیے اپنی حکومت کو کیوں نہیں دیں گے! حکومت کے پاس تو ان کا روپیہ زیادہ محفوظ ہوگا، لیکن اگر بالفرض مذکورہ تمام ذرائع سے مطلوبہ سرمایہ نہ مل سکا اور ضرورت حقیقی اور فوری ہو تو مطلوبہ قرض سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے زبردستی لینے کا حق بھی حکومت کو حاصل ہے اس لیے کہ مصلحتِ عامہ کو مصلحتِ خاصہ پر ترجیح حاصل ہے اور امیر کا یہ حکم معصیت کا حکم نہیں ہوگا، بلکہ معروف اور نیکی کا حکم ہوگا جس کی اطاعت عوام پر لازم ہے۔

بینکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز:

(ب) بنکوں کی جانب سے مختلف ضروریات کے لیے غیر سودی قرضے فراہم کرنے کے بارے میں آپ کیا متبادل تجاویز دیتے ہیں؟

جواب: قومی ضروریات کے لیے حکومت کو جن قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کے بارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں توشق الف کے جواب میں متبادل تدابیر کا خلاصہ عرض کر دیا گیا ہے، باقی رہے وہ قرضے جو عوام کو اپنی صرفی یا تجارتی ضروریات کے لیے فراہم کیے جاتے ہیں تو اس بارے میں درج ذیل نکات پیشِ خدمت ہیں :

(۱) غیر سودی معاشرے میں انشاء اللہ باہمی تعاون اور ہمدردی کا ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد قرض اور اعانت دونوں صورتوں میں کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور بنکوں یا حکومت سے قرض لینے کی ضرورت نسبتاً کم ہو جائے گی۔

(۲) جو لوگ اپنی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو چکے ہوں اور قرض کی واپسی کا کوئی ذریعہ بھی نہ رکھتے ہوں تو ان کی کفالت حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ زکوٰۃ و عشر سے یا قومی خزانے سے ایسے لوگوں کو قرض نہیں بلکہ امداد دی جائے گی اور حکومت اس مد کو باقی تمام مدات پر فوقیت دینے کی شرعاً پابند ہے۔

(۳) جو لوگ سرکاری یا نجی اداروں میں ملازم ہوں ان کو ضرورت کے وقت قرضے فراہم کرنا ان محکموں یا اداروں کا فرض ہے جن میں وہ خدمات انجام دیتے ہوں۔ اجیر خاص (جو کسی اور جگہ کام نہ کرتا ہو) کی کفالت آجر کی شرعی ذمہ داری بھی ہے اور اس سے آجر اور اجیر کے باہمی تعلقات خوشگوار ہونے کی وجہ سے پیداوار پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت قوانین و قواعد بنا کر اس نظام کو قانوناً نافذ کر سکتی ہے۔

(۴) وہ لوگ جن کو اپنی ضروریات کے لیے وقتی طور پر قرضوں کی ضرورت ہو اور وہ کسی محکمے یا ادارے کے ملازم نہ ہوں، بلکہ عام صارفین ہوں اور ان کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں جن سے وہ مستقبل میں قرضے واپس کر سکتے ہوں تو ان کو بھی قرض فراہم کرنے کی اصل ذمہ داری حکومت پر عاید ہوتی ہے۔ اس مقصد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے الگ فنڈ ہونا چاہیے جس میں حکومت بھی رقم جمع کرے اور افراد سے بھی اس فنڈ میں حصہ لینے کی اپیل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْناً فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ" [1]

(مسلمانوں میں سے جو شخص وفات پا چکا ہو اور اپنے اوپر اُس نے قرض چھوڑا ہو (اور مال نہ چھوڑا ہو) تو اس قرض کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے (حکومت پر) اور جس نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے)

جب نادار مقروض کا قرض ادا کرنا حکومت کا فرض ہے تو نادار لوگوں کو ان کی ضروریات کے لیے قرض فراہم کرنا بھی حکومت کا فرض ہونا چاہیے۔

اگر الگ فنڈ قائم نہ بھی ہو سکے تو ریاست کے عام بجٹ میں بھی اس کے لیے رقم مختص کی جا سکتی ہے اور وسائل کے طریقے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

(۵) باقی رہے تجارتی اور صنعتی اغراض کے لیے قرضے جن کی ضرورت کاروباری لوگوں کو پڑ سکتی ہے، تو اس سلسلے میں اصولی بات تو یہ ہے کہ جب شرکت اور مضاربت کا نظام ملک میں رائج ہو جائے گا تو بنک لوگوں کو نفع نقصان میں شراکت یا مضاربت پر سرمایہ فراہم کرے گا اور اس سے تجارت اور صنعت کو انشاء اللہ فروغ ملے گا۔ اسی طرح حکومت بھی کاروباری لوگوں کو تجارت کے لیے مضاربت اور شرکت کے اصول پر قومی خزانے سے قرض فراہم کر سکتی ہے اور اپنے سرمائے کے تناسب سے نفع حاصل کر سکتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الکفالہ باب الدین نمبر ۲۱۷۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شراکت اور مضاربت کے بغیر بھی حکومت کاروباری لوگوں کو بلا سود قرضے دے سکتی ہے اور اسے دینے چاہییں، اس لیے کہ جب عوام کاروبار کریں گے تو اس سے قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور حکومت کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ روزگار فراہم کرنا تو ویسے بھی حکومت کا فرض ہے اور قومی معیشت کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ تجارت کے لیے سرکاری خزانے سے قرض دینے کی مثالیں خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً:

"حضرت عمرؓ کے دو بیٹے عبداللہؓ اور عبیداللہؓ مجاہدین کے ساتھ عراق گئے تھے۔ جب جہاد سے فارغ ہونے کے بعد بصرہ کے امیر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ملنے آئے تو امیرِ بصرہ نے کہا کہ میرے پاس ایک رقم ہے جسے میں امیرالمومنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں اس رقم سے عراق کا کوئی سامانِ تجارت خرید لیں اور مدینہ میں فروخت کر دیں۔ اصل رقم امیرالمومنین کو دے دیں اور نفع آپ دونوں کا ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ دونوں بھائی جب مدینہ پہنچے تو عراق کا مال نفع کے ساتھ بیچ دیا۔ نفع اپنے پاس رکھا اور اصل رقم حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ: "اکل الجیش اسلفہ مثل ما اسلفکما؟ قال لا فقال عمرؓ ابنا امیر المومنین فاسلفکما ادیا المال و ربحہ" (کیا امیر بصرہ نے پورے لشکر کو اتنا ہی قرض دیا تھا جتنا تم کو دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم امیرالمومنین کے بیٹے ہو اس لیے اس نے تم کو قرض دیا ہے۔ اصل رقم کے ساتھ اس سے جو نفع ہوا ہے وہ بھی جمع کرا دو! عبداللہؓ تو خاموش ہو گئے مگر عبیداللہؓ نے کہا امیرالمومنین! اگر یہ مال ضائع ہو جاتا تو اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم ذمہ دار ہوتے (اس لیے کہ قرض تھا) لیکن حضرت عمرؓ نے دوبارہ فرمایا نہیں! نفع بھی جمع کرا دو۔ عبداللہؓ تو بدستور خاموش رہے، مگر عبیداللہؓ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے تجویز پیش کی کہ اگر آپ اس مال کو قراضہ یعنی مضاربہ قرار دے دیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے فرمایا "قد جعلتہ قراضاً فاخذ عمرؓ راس المال ونصف الربح واخذ عبداللہ وعبیداللہ ابنا عمرؓ نصف ربح المال" (میں نے اس مال کو مضاربہ قرار دے دیا، چنانچہ عمرؓ نے بیت المال کے لیے اصل مال اور آدھا نفع وصول کیا اور باقی آدھا نفع عمرؓ کے بیٹوں عبداللہؓ اور عبیداللہؓ نے لے لیا۔[1])

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قومی خزانے کا مال قرض کے طور پر تاجروں کو دینا بھی جائز ہے اور مضاربت کے طور پر دینا بھی جائز ہے، اس لیے خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ نے بیت المال سے تجارتی قرضے دینے پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اُنہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ خصوصی رعایت کے شبہے کی وجہ سے اس مال کو مضاربہ قرار دے کر آدھا نفع بھی بیت المال کے لیے وصول کر لیا۔ یہ حضرت عمرؓ کا کمال تقویٰ اور ورع تھا، ورنہ ان کے بیٹے عبیداللہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ مال ضائع ہو جاتا (یا تجارت میں خسارہ ہو جاتا) تو اس کے ضامن ہم ہوتے، یعنی اپنے پاس سے یہ قرضہ ادا کرتے، لہٰذا اس کا نفع بھی ہمارا حق ہے۔ یہ بات اس حدیث رسولؐ کے مطابق تھی کہ: الخراج بالضمانؐ یعنی "جو شخص نقصان کی ذمہ داری اٹھاتا ہے فائدہ اٹھانا

---

[1] ابوداؤد فی البیوع باب من اشتری نمبر ۳۵۰۸، ترمذی فی البیوع نمبر ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، نسائی شریف فی البیوع باب الخراج بالضمان، ابن ماجہ فی التجارات باب الخراج بالضمان، مسند احمد صفحہ نمبر ۴۹، ۸۰، ۱۱۶، ۱۶۱، ۲۰۸، ۲۳۷، جلد ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اسی کا حق ہے۔"

اس حدیث کے مستند حوالے ہیں نے اس لیے تفصیل کے ساتھ تلاش کر کے دیے ہیں کہ معاشی مسائل کی متعدد جزئیات میں اس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے اور یہ ایک مسلمہ فقہی قاعدہ بن گیا ہے، بہرحال اس وقت اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کہ حکومتی خزانے سے بھی بلاسود تجارتی قرضے جاری ہو سکتے ہیں اور جاری ہونے چاہییں!

دوسری مثال حضرت عمرؓ ہی کے دورِ خلافت کی ہے جسے ابنِ جریرؒ طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے "تاریخ الامم والملوک" میں اس طرح نقل کیا ہے:

"عن زید بن اسلم عن ابیہ قال اِنَّ ھند بنت عُتبہ قامت الیٰ عمرؓ بن الخطاب فاستقرضتہ من بیت المال اربعۃ آلاف تتّجرُ فیھا وتضمنھا فاقرضھا فخرجت فیھا الیٰ بلاد کلبٍ فاشترت وباعت۔"[1]

(ہند بنتِ عُتبہ (ابوسفیانؓ کی بیوی اور معاویہؓ کی والدہ) حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور ان سے بیت المال کی رقم سے چار ہزار کا قرض مانگا تاکہ وہ اس سے تجارت کر سکے اور وہ اس کی واپسی کی ذمہ دار ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے مطلوبہ قرضہ دے دیا، چنانچہ وہ بنو کلب کے علاقے میں گئی اور وہاں پر خرید و فروخت کی)

اس تجارت میں اسے خسارہ ہو گیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا تو معاف کر دیتا، لیکن بیت المال کا مال معاف نہیں کر سکتا۔

---

[1] تاریخ الامم والملوک طبع مصر ص ۲۹، ۳۰ جلد ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجی اور سرکاری بنکاری میں امتیاز کا مسئلہ :

۴ - کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلے میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے ؟

جواب : نہیں جناب ! سود مطلقاً ممنوع ہے۔ اس سلسلے میں نجی اور سرکاری کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جب سرکاری بنک سود وصول کریں گے تو نجی بنکوں کو اس سے کس طرح روکا جاسکے گا۔ دلائل پہلے دیے جاچکے ہیں، باقی رہیں خدمات تو ان کا معاوضہ نجی بنک بھی لے سکتے ہیں اور سرکاری بنک بھی لے سکتے ہیں، مگر قرض پر معاوضہ نہیں لے سکتے، اس لیے کہ یہ معاوضہ نہیں ہے بلکہ سود ہے۔

زرِ نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا ربوا ہے :

(۵.الف) کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق سرمایہ کو پیداوار کا ذریعہ تصور کرکے اس کے استعمال پر کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے ؟

جواب : نہیں جناب ! زرِ نقد کے استعمال پر معاوضہ (کرایہ) لینا سود ہے اور حرام ہے۔ اس سلسلے میں پہلی اور اصولی بات تو یہ ہے کہ قرآن و سنّت اور اجماعِ اُمّت کے مقابلے میں قیاس اور عقلی دلائل کی شرعاً کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ جب نصوص سے یہ ثابت ہے اور اُمّت کا اس پر پہلے سے اجماع موجود ہے کہ قرض مال پر اضافہ ربوٰ ہے اور دائن کو راس المال کے علاوہ ایک حبہ لینے کا حق بھی حاصل نہیں ہے تو ہم کس طرح قیاس و تصور کی بنیاد پر اس کے استعمال پر معاوضہ لینے کو جائز کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت کے احکام عقل کے خلاف ہیں اور ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت موجود نہیں ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ صرف حکم کی تعمیل ہی مقصد ہے۔ حکیم کے احکام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ صرف حاکم نہیں ہے بلکہ حکیم بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اور اس عقل سے کام لینے کا حکم بھی دیا ہے، لیکن یہ عقل اللہ و رسولؐ کے احکام کو سمجھنے اور ان کی حکم و مصالح معلوم کرنے کے لیے دی ہے۔ ان کے کھلے اور واضح احکام کو رد کرنے یا ان میں ترمیم و تحریف کرنے کے لیے نہیں دی اور نہ اس مقصد کے لیے اسے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ قیاس شرعی اور اجتہاد جائز ہی نہیں ہے بلکہ ضروری بھی ہے، لیکن نصوص (کتاب و سُنت) کے خلاف قیاس و اجتہاد جائز نہیں ہے۔ ابلیس کے ملعون ہو جانے کی اصل وجہ یہی تھی کہ اُس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں قیاس کیا تھا۔ سونے چاندی اور کرنسی کو ذرائع پیداوار پر قیاس کر کے ان کا کرایہ لینا اور کرنسی کو ذریعۂ پیداوار تصور کرنا ایک ایسا قیاس اور ایسا تصور ہے جو قرآن و سُنّت اور اجماع کے خلاف ہے جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس اصولی بات کے دلائل اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ان کا بیان کرنا صرف تحصیل حاصل ہوگا۔ اس لیے میں دلائل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ شرعی عدالت کو یہ دلائل اچھی طرح معلوم ہیں، البتہ عقلی لحاظ سے حرمت ربٰو کی حکمت و مصلحت پر کچھ گزارشات پیش کرنا مناسب ہے جو یہ ہیں:

"نقدین" یعنی سونا اور چاندی بجائے خود اپنی ذات کے اعتبار سے "ذریعۂ پیداوار" نہیں ہیں، بلکہ صرف ایک قوۃ خرید ہیں اور "ذریعۂ تجارت" ہیں، یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سونا اور چاندی اپنی اصل طبیعت اور ذات کے اعتبار سے نفع آور چیز بھی نہیں ہے اور اشیاء استعمال میں بھی شامل نہیں ہے، اس سے نہ پیٹ بھرتا ہے، نہ پیاس بجھتی ہے۔ اسے نہ لباس کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نہ یہ بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ تو صرف اشیاء صرف کے تبادلے کا ایک ذریعہ اور مقیاس ہے جس سے اشیاءِ استعمال کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ جس شخص کو نقدین یا کرنسی کے ذریعے نفع کمانا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے خود تجارت میں لگائے یا کسی کو نفع نقصان دونوں میں شراکت یا صرف نفع میں شراکت کے اصولِ شرعیہ کے مطابق دے دے، اگر خسارہ ہوا تو سرمائے میں کمی آجائے گی اور اگر نفع ہوا تو اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ عقلاً و شرعاً جائز ہے۔ آخر ذریعۂ تجارت کو بجائے خود سامانِ تجارت بنانے اور اشیاءِ استعمال تصور کرنے میں کون سی معقولیت ہے جس کی وجہ سے اس کا معاوضہ اور کرایہ وصول کیا جائے اور اسے حلال سمجھا جائے۔ نقدین کے استعمال کا کرایہ ہی تو وہ ربوٰ ہے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ زرِ نقد سے زرِ نقد کمانا اور اس کو سامانِ تجارت بنانا ایک غیر معقول اور غیر طبعی امر ہے جسے فلاسفہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مصر کے مشہور فقیہ ابوزہرہ (متوفی ۱۹۷۴ء) نے اپنے رسالے "بحوثٌ فی الربا" میں ارسطو کا قول نقل کیا ہے کہ :

"سود ایک ایسا طریقۂ کسب ہے جس میں زرِ نقد زرِ نقد کماتا ہے جو کہ خلافِ طبع ہے۔ اس لیے کہ زرِ نقد اس لیے ہے کہ وہ مبادلہ کا ذریعہ بنے۔"[1]

امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم میں اس بارے میں طویل بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

"روپوں اور اشرفیوں کا پیدا کرنا اللہ کی ایک نعمت ہے۔ انہی سے دنیا کا نظام چلتا ہے۔ یہ ہیں تو پتھر جن کی ذات میں کوئی نفع نہیں ہے، لیکن لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے میں ان کو واسطہ بنانے پر مجبور

---

[1] اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد ص ۲۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اس لیے کہ ہر انسان اعیانِ کثیرہ یعنی بہت سی اشیائے صرف کا محتاج ہے۔ مثلاً ایک کے پاس زعفران ہے مگر اسے سواری کے لیے اونٹ کی ضرورت ہے۔ دوسرے کے پاس اونٹ ہے مگر اسے زعفران کی ضرورت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے تبادلے کے لیے قیمت کے تعین کی ضرورت ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار کے بدلے میں اونٹ مل سکتا ہے اور ایک اونٹ کے بدلے میں کتنی مقدار میں زعفران مل سکتا ہے۔ قیمتوں کے اس تعین کے لیے ایک تیسری چیز کی ضرورت ہے جو ایک واسطے اور حاکمِ عدل کا فرض انجام دے سکے۔ وہ واسطہ اور حاکم یہی روپے اور اشرفیاں ہیں جن کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار ایک اونٹ کی قیمت بن سکتا ہے۔

تو جو شخص روپے اور اشرفی میں وہ عمل کرتا ہے جو اس کی تخلیق کے اصل مقصد کے خلاف ہے، تو وہ اس نعمت کی ناشکری اور بے قدری کرتا ہے۔ مثلاً سونے اور چاندی کا ذخیرہ جمع کر کے اسے اپنا اصل فرض ادا کرنے سے روک دینا ان پر ظلم ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے حاکم کو قید خانے میں بند کر دیا جائے تاکہ وہ حکومت کا فرض انجام نہ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دو۔" اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن بنا کر استعمال کرنا بھی ظلم ہے اور کفرانِ نعمت ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ حاکمِ شہر کو جولاہا بنا دیا جائے یا اسے کوئی اور خسیس کام کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیا ہو تو گویا اس نے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکا دی ہے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"وکل من عامل معاملة الربا على الدراهم والدنانير فقد كفر النعمة وظلم لانهما خلقا لغيرهما لا لنفسهما اذ لا غرض في عينهما فاذا اتجر في عينهما فقد اتخذهما مقصوداً على خلاف وضع الحكمة" [1]

(اور جو شخص روپوں اور اشرفیوں میں ربا کا معاملہ کرتا ہے وہ کفرانِ نعمت کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے، اس لیے کہ یہ تو دوسری چیزوں کے حصول کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کی ذات میں کوئی غرض اور فائدہ نہیں ہے تو جب اس شخص نے ان کی ذات کو سامانِ تجارت بنا دیا تو ان کی اصل حکمت تخلیق کے خلاف ان کو بذاتِ خود مقصود بنا لیا۔)

شیخ محمد عبدہ نے امام غزالی ہی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"ان النقدين انما وضعا ليكونا ميزانا لتقدير قيم الاشياء التي ينتفع بها الناس في معايشهم فاذا تحول هذا وصار النقد مقصوداً بالاستغلال فان هذا يؤدي الى انتزاع الثروة من ايدي الناس وحصرها في ايدي الذين يجعلون اعمالهم قاصرة في استغلال المال بالمال فينمو المال ويربو عندهم ويخزن في الصناديق والبيوت المالية ويبخس العاملين قيم اعمالهم" [2]

---

[1] احیاء العلوم ص ۹۶، ۹۷ جلد ۴ طبع بیروت ۱۹۸۶ء کتاب الشکر الرکن الاول

[2] تفسیر المنار طبع بیروت ص ۱۰۸، ۱۰۹ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(نقدین کو اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ ان چیزوں کی قیمتوں کے تعین کے لیے ترازو بن سکیں جن سے لوگ اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں تو جب ان کی اصل حیثیت بدل دی جائے اور زرِ نقد بجائے خود ذریعۂ آمدن بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت لوگوں کے ہاتھوں سے کھنچ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جائے گی جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ زرِ نقد سے زرِ نقد کمائیں اور محنت کرنے والوں کی محنت کی قیمتیں گھٹ جائیں گی۔)

سونے اور چاندی کی جگہ اب کرنسی نوٹ آ گئے ہیں جن کا صرف ذریعۂ تجارت ہونا محتاجِ بیان نہیں ہے۔

اشیاءِ استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان وجہِ امتیاز

سودی معیشت کے حامیوں کی جانب سے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ جب مکانات، سواریوں، زمینوں اور دوسری ان چیزوں کے استعمال کا کرایہ اور معاوضہ جائز ہے تو نقد سرمائے یعنی سونے چاندی اور کرنسی کے استعمال، یعنی اسے تجارت میں لگانے کا کرایہ اور معاوضہ کیوں ممنوع ہے؟ اس کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ اشیاءِ استعمال کا کرایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے اور زرِ نقد کا معاوضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ بس یہی فرق ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس فرق کی عقلی اور فلسفیانہ وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ زرِ نقد بذاتِ خود نہ ذریعۂ پیداوار ہے اور نہ کوئی استعمال کی چیز ہے، بلکہ قوتِ خرید ہے اور اشیاءِ ضرورت کے تبادلے کا ایک واسطہ ہے۔ اس کی ذات میں نفع آوری کی صفت سرے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود ہی نہیں ہے تو اس کا استعمال کیسے ہوگا اور اس کا کرایہ کیسے وصول کیا جا سکے گا؟ مکان کا استعمال یہ ہے کہ اس میں رہائش رکھی جاتی ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ دیا جاتا ہے۔ سواری کا استعمال یہ ہے کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ دیا جاتا ہے۔ مزدور اور ملازم کا استعمال یہ ہے کہ وہ کام کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اُجرت لیتا ہے جو اس کی خدمت کا معاوضہ ہے۔

اور زمین کا استعمال یہ ہے کہ اس میں غلّہ، سبزیاں اور ضرورت کی دوسری چیزیں لگائی جاتی ہیں یا اس پر مکانات، دکانیں اور کارخانے بنائے جاتے ہیں اور زمین کا کرایہ اس کے استعمال کا معاوضہ ہے، یعنی ان چیزوں میں بذاتِ خود نفع اور فائدہ پہنچانے کی صفت موجود ہے، لہٰذا سونے اور چاندی کا ڈھیر لگا دیجیے یا کرنسی نوٹوں سے بکس ہی نہیں پورے مکان کو بھر دیجیے اور پھر جتنی محنت ہو سکے کر لیجیے، کسی بھی محنت اور تدبیر سے آپ کو ان سے نہ رہائش گاہ ملے گی، نہ کھانا ملے گا نہ کپڑا ملے گا نہ سواری ملے گی نہ علم کے حصول کے لیے کتابیں ملیں گی نہ علاج کے لیے دوا ملے گی اور نہ آپ کی کوئی اور ضرورت ان سے پوری ہوگی۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کو جیب میں ڈال کر مارکیٹ میں جائیے اور ضرورت کی چیزیں خرید کر لے آئیے۔ بعض حضرات نے اشیاءِ استعمال کے کرائے کی عقلی توجیہ یہ کی ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے قیمت میں کمی آتی ہے اور انہیں نقصان پہنچتا ہے اور کرایہ و معاوضہ اس کمی اور نقصان کا عوض ہے، لیکن نقد سرمائے کے استعمال سے جب کہ وہ کسی کو قرض دیا گیا ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اس کی قیمت میں بھی استعمال کی وجہ سے کوئی کمی نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو دوسرے عوامل کی وجہ سے آتی ہے۔ اس لیے نقد سرمائے کے استعمال کا کرایہ لینا بلا وجہ ہے۔ یہ بھی ایک اچھی توجیہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن میرے نزدیک یہ ثانوی درجے کی توجیہ ہے جو اکثر اشیاءِ استعمال میں درست ثابت ہوتی ہے، لیکن زمین کو زراعت یا باغبانی کے لیے کرائے پر لینے کی صورت میں یہ توجیہ مشکوک ہو جاتی ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ نقد سرمایہ تجارت اور خرید و فروخت کا ایک ذریعہ ہے، بذاتِ خود کوئی استعمال اور پیداوار کی چیز نہیں ہے، اس لیے اس کا کرایہ جائز نہیں ہے اور اس تجارت اور خرید و فروخت کا نفع جائز ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کی جائے اور دوسری ضروریات کے لیے استعمال کیا جائے، اس لیے اس کا کرایہ بھی جائز ہے اور بٹائی پر دینا اور لینا بھی جائز ہے۔

مزارعت یعنی بٹائی کا معاملہ مختلف فیہ ہے، لیکن زمین کا نقد کرایہ چاروں فقہی مکاتبِ فکر میں جائز ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم باب کراء الارض بالذھب والفضہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ نقد کرایہ پر زمین زراعت کے لیے یا باغبانی کے لیے یا کسی اور جائز استعمال کے لیے دینا جائز ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں:

"وذھب عامۃ اھل العلم الی جوازھا بالدراھم والدنانیر" [1]

(عام اہلِ علم نے روپیوں اور اشرفیوں کی صورت میں زمین کے کرائے کو جائز قرار دیا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اکروا بالذھب والفضۃ" [2]

(زمین سونے چاندی کی صورت میں کرایہ پر دے سکتے ہو)

اس کے جواز میں صحیح مسلم، نسائی، ترمذی اور دوسری کتابوں میں کافی احادیث

---

[1] شرح السنہ ص ۲۶۳ جلد ۸ طبع ۱۹۸۳ء

[2] ابوداؤد فی البیوع باب فی المزارعۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آثار موجود ہیں، لیکن چونکہ یہ اس وقت موضوع سے متعلق مسئلہ نہیں ہے، اس لیے مزید تفصیل اور دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن حزمؒ کو ایک حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے اس لیے وہ بٹائی کو تو جائز کہتے ہیں، مگر نقد کرائے کو ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کو بھی میرا خیال ہے کہ بعض احادیث سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اپنی کتاب سود میں انہوں نے ۲۰ روپے بیگھہ یا ۵۰ روپے ایکڑ جیسے کرائے اور لگان کو شبہہ ربا قرار دیا ہے اور مسئلہ ملکیت زمین میں جو رائے قائم فرمائی ہے اس میں بھی کافی الجھاؤ محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال اس وقت ابن حزمؒ یا مولانا مودودیؒ کی رائے پر کوئی تبصرہ یا مسئلے کی پوری تفصیل و تنقیح میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اشیاء استعمال اور ذرائع پیداوار کا کرایہ ربوٰ نہیں ہے اور زر نقد کا کرایہ ربوٰ ہے۔

کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر قرض کی اصل رقم پر نہیں پڑتا:

سوال: کیا کرنسی کی قیمت میں کمی اس قرض پر اثر انداز ہوتی ہے جو اس کمی سے پہلے لیا گیا ہو؟

جواب: نہیں جناب! فقہ کا قاعدہ ہے کہ "الاقراض تقضیٰ بامثالھا" یعنی قرضوں کی ادائیگی مثل سے ہوتی ہے، یعنی جتنا لیا تھا اور جس قسم سے لیا تھا اتنا ہی اور اسی قسم سے واپس کیا جائے گا۔ قیمتوں کی کمی بیشی تو حالات کے تغیر سے ہوتی ہے۔ ان حالات اور عوامل کو قرضدار نے تو نہیں بدلا کہ اُسے اس کی تلافی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے "فلکم رؤس اموالکم" یعنی تمہیں صرف اصل رقم کی وصولی کا حق ہے"۔ اس اصول پر زر نقد کی قوت خرید میں کمی بیشی کا کوئی اثر نہیں پڑتا کسی آیت، حدیث یا قول صحابیؓ یا قول فقیہ میں اس اثر اندازی کا ذکر میرے مطالعے میں نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیا۔ اس کمی کا اثر تو سارے لوگوں پر پڑتا ہے، صرف قرض دینے والے پر نہیں پڑتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ رقم اگر مالک کے پاس ہوتی تو وہ اسے تجارت میں لگاتا اور نفع کماتا اور اس نفع سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی ہو جاتی، تو اگر اس کا مقصد کسی کی ضرورت پوری کرنا نہیں تھا، بلکہ نفع کمانا مقصد تھا تو اپنے سرمائے کو تجارت میں لگا دیتا یا کسی کو مضاربت پر دے دیتا۔ یہ راستہ تو اس پر کسی نے بند نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات سے بچنے کے لیے یہ تجویز ہو کہ قرض دیتے وقت یہ معاہدہ کر لیا جائے کہ جب ادائیگی کی میعاد آجائے تو یہ قرض جنس کی صورت میں واپس کیا جائے گا، مثلاً ۵۰۰ روپے قرض دیا اور ادائیگی کے وقت اس رقم کی جتنی گندم بنتی ہو یا جتنا کپڑا بنتا ہو وہ دیا جائے تو اس طرح کرنسی کی قوتِ خرید میں کمی بیشی کا ازالہ ہو جائے گا، لیکن یہ معاملہ تو پھر قرض نہیں ہوگا، بلکہ بیع سلم کا معاملہ بن جائے گا۔ دو قسم کے معاملے ایک ہی چیز میں نہیں کئے جا سکتے۔ قرض ہے تو ادائیگی بالمثل کرنی ہوگی اور اگر بیع سلم ہے تو اس کی شرائط مذکورہ فی الحدیث پوری کرنی ہوں گی۔ بیع سلم کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ جنس کی قیمت معاہدے کی مجلس میں طے کی جائے اور اسی وقت بائع کو دے دی جائے، تاکہ ادھار کے بدلے ادھار کی شکل نہ بن جائے جو از روئے حدیث ممنوع ہے اور جس چیز کی قیمت پیشگی دی گئی ہو اس کی مقدار، جنس، صفت اور ادائیگی کا وقت اور ادائیگی کی جگہ یہ سب چیزیں متعین کرنی ہوں گی۔

سونے کی قیمتوں اور استعمالی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا اثر

سوال: کیا افراطِ زر کی بنا پر سونے کی قیمتوں میں اضافے اور کرنسی کے حساب سے استعمالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا قرض پر لی ہوئی رقم پر اثر پڑتا ہے ؟

جواب : قرض کی جتنی رقم لی گئی تھی اتنی ہی لوٹائی ہوگی۔ سونے کی قیمتوں یا اشیاءِ استعمال کی چیزوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کی وجہ سے قرض کی اصل رقم یعنی راس المال میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اور حرمتِ ربا کی آیات میں کسی قسم کے استثنا کی دلیل موجود نہیں ہے۔

مُلکی اور غیر مُلکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز :

(۶) سود پر مبنی بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر موجودہ اقتصادی حالات میں وہ کون سی متبادل تجاویز ہو سکتی ہیں جن پر مُلکی اور غیر مُلکی تجارت کو کامیابی سے چلایا جا سکتا ہے ؟

جواب : بنک تاجروں کی جو جائز خدمات انجام دیتے ہیں ان کا معاوضہ تو شرعاً بھی لے سکتے ہیں۔ باقی رہیں تجارت کی کامیابی کی تجاویز، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ سودی بنکاری کے نظام کو بحال رکھ کر متبادل تجاویز بے اثر ثابت ہوں گی۔ کچھ تجاویز تو سوال نمبر ۲ کے جواب میں عرض کر دی گئی ہیں اور جب حرام کا راستہ بند ہو جائے گا تو حلال کے راستے خود بخود سامنے آجائیں گے۔ غیر مُلکی تاجروں کو اگر ہم سود نہ دیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ قیمتیں بڑھا دیں گے، عملاً کچھ زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔

دو مُسلم ریاستوں یا مُسلم و غیر مُسلم ریاست کے مابین سودی کاروبار

(۷) کیا اسلامی احکام کے مطابق دو مُسلم ریاستوں اور ایک مُسلم و غیر مُسلم ریاست کے مابین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:

(الف) ناجائز ہے! جو چیز انفرادی اور نجی زندگی میں ناجائز ہو وہ اجتماعی زندگی میں بھی ناجائز ہوتی ہے۔ ریاستیں تو عوام کے لیے کاروبار کرتی ہیں اور عوام کی نمائندہ اور وکیل ہوتی ہیں اور جو چیز مؤکل کے لیے جائز نہ ہو وہ اس کے وکیل کے لیے بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

"کل عقدٍ جاز ان یَعقِدہ الانسان جاز ان یُوکِّل بہ غیرہ"[1]

(ہر وہ معاملہ جو ایک شخص خود کر سکتا ہو تو اس کے لیے وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔)

آگے لکھتے ہیں:

"ومن شرط الوکالۃ ان یکون الموکل ممن یملك التصرّف"[2]

(وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ مؤکل جس کام کے لیے مقرر کرتا ہے وہ اس کے لیے بھی جائز ہو)

(ب) قرآن و سنت میں ربا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے اور سود کا بقایا چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان نصوص میں ریاستوں کیلئے استثنا موجود نہیں ہے، بلکہ اسلامی ریاست کا خود کسی سودی کاروبار میں ملوث ہو جانا تو زیادہ نقصان دہ ہے اس لیے کہ اس کا فرضِ منصبی سود کا مٹانا ہے اور غیر سودی معیشت کو نافذ کرنا ہے تو جب یہ خود سودی کاروبار کرتی ہو تو معاشرے کو اس ظلم سے کس طرح پاک کر سکے گی!

---

[1] ہدایہ فی اوّل کتاب الوکالہ

[2] ہدایہ مع فتح القدیر صفحہ ۵۱۱ جلد ۷ طبع ۱۹۷۰ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ:

کچھ لوگ غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ سودی کاروبار کے جواز کے ثبوت میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کے اس مسلک کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سودی لین دین جائز ہے، اگرچہ اس سوال کے ساتھ براہ راست اس مسئلے کا تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کے درمیان سود کے جواز کا قول نہ امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور نہ کسی اور کا، لہٰذا اس مسئلے میں امام اعظم کے فتوے کو ثبوت میں پیش کرنا لاعلمی اور غلط فہمی پر مبنی ہے یا پھر فریب دہی پر مبنی ہے، لیکن کچھ لوگ اس فتوے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس لیے اس مسئلے کی بھی بقدر ضرورت وضاحت مناسب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ایک شاگرد امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ دارالحرب کی حدود کے اندر حربی کافر اور اسلامی ریاست سے دارالحرب میں پروانہ امن (ویزا) لے کر جانے والے مسلمان کے درمیان سود اور دوسرے عقود فاسدہ جائز ہیں، لیکن اگر حربی کافر امن لے کر دارالاسلام میں آجائے تو پھر اس کے ساتھ دارالاسلام کی حدود کے اندر سودی کاروبار جائز نہیں ہے[1]

دوسری جانب امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے شاگرد

---

[1] ہدایہ مع فتح القدیر باب الربا، ص ۳۸، ۳۹ جلد ۷ المبسوط للسرخسی طبع ۱۹۷۸ء ص ۹۵، جلد ۱۰ - بدائع الصنائع للکاسانی طبع ۱۹۷۴ء بیروت ص ۱۹۲ جلد ۵ درمختار مع ردالمحتار باب الربا، ص ۲۶۰، ۲۶۱ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسفؒ اور جمہور فقہا و محدثین کی رائے یہ ہے کہ ربا، قمار اور دوسرے عقود فاسدہ مسلمان کے لیے مطلقاً حرام ہیں۔ حربی اور غیر حربی میں اور دارالاسلام اور دارالحرب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے[1]

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے دلائل :

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تحقیق اور فتوے کے لیے جو دلائل السیر الکبیر للامام محمدؒ اور دوسری کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے :

(۱) پہلی اور مشہور دلیل ایک مرسل حدیث ہے۔ علامہ جمال الدین زیلعی حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) نے اس حدیث کو اس تبصرے کے ساتھ نقل کیا ہے :

" لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب قلتُ غریبٌ واسند البیهقی فی " المعرفة فی کتاب السیر" عن الشافعیؒ قال قال ابو یوسفؒ انما قال ابو حنیفةؒ هذا لان بعض المشیخة حدّثنا عن مکحولؒ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال لا ربا بین اهل الحرب واظنّهٗ قال واهل الاسلام قال الشافعیؒ وهذا لیس بثابتٍ ولا حجة فیه انتهیٰ کلامه "[2]

("مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے" یہ حدیث غریب ہے (اس کی دوسری سند موجود نہیں ہے) بیہقی نے اپنی کتاب " المعرفة فی السنن والآثار" میں سند

---

[1] فتح القدیر ص ۳۸ جلد ۷ اور دوسری کتب

[2] نصب الرایہ للزیلعی ص ۴۴ جلد ۴ مجلس علمی ڈھابیل ۱۹۳۸ء، و مثلہ فی الدرایہ لابن حجرؒ ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے (جو جواز کے قائل نہیں ہیں) کہا تھا کہ ابو حنیفہؒ نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ بعض اساتذہ نے مکحولؒ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان سود نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتی)

زیلعیؒ حنفی ہیں اور نصب الرایہ میں وہ حنفی مسلک کے دلائل نقل کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حدیث کسی اور سند کے ساتھ کسی کتاب میں موجود ہوتی تو زیلعیؒ اس کا ذکر ضرور کرتے یا اگر ان کے نزدیک امام شافعیؒ کی جرح دُرست نہ ہوتی تو وہ اس کی تردید فرماتے۔

اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے مکحولؒ الشامی الدمشقی (متوفی ۱۱۶ھ) ہیں۔ العجلیؒ متوفی ۲۶۱ھ، ابن حبانؒ (متوفی ۳۵۴ھ) دارقطنیؒ (متوفی ۳۸۵ھ) اور ابن حجر عسقلانیؒ نے مکحولؒ شامی کو ثقہ قرار دیا ہے، مگر یہ تابعی تھے صحابی نہیں تھے[1]

تابعی کی روایت میں جب صحابی کا ذکر نہ ہوا ہو تو اس کو حدیثِ مرسل کہا جاتا ہے ثقہ تابعی کی مرسل روایت اگرچہ حنفیہ اور دوسرے بہت سے ائمہ کے نزدیک حجت ہے اور قابلِ قبول ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سند میں ارسال کے علاوہ دوسری کوئی کمزوری موجود نہ ہو اور اس حدیث کی سند میں دوسری بڑی علت یہ ہے کہ مکحولؒ سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے بعض المشیخۃ یعنی بعض اساتذہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مجہول الاسم یا مجہول الحال راوی کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ اگر یہ حدیث امام

---

[1] تاریخ الثقات للعجلی طبع بیروت ۱۹۸۴ء، ص ۴۲۹، کتاب الثقات لابن حبان ص ۴۴۶ جلد ۵، اسماء التابعین للدارقطنی طبع بیروت ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۶ جلد ۲۔ تہذیب التہذیب لابن حجر، ص ۲۸۹ تا ۲۹۲ جلد ۱۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے، اس لیے کہ یہ خود اس کے راوی ہیں، مگر انہوں نے بعض المشیخہ کا لفظ استعمال کر کے خود ہی اس کے ضعف کی جانب اشارہ فرما دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درجے کی کمزور اور مرسل روایت قرآن و سنت ثابتہ کے مقابلے میں کس طرح حجت بنائی جا سکتی ہے، جب کہ قرآنِ کریم میں ربا کی حرمت کا حکم عام اور قطعی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کو "تلقی بالقبول" حاصل ہے، یعنی سلف اور مجتہدین نے اسے قبول کیا ہے اور دلیل بنایا ہے۔ اور جس حدیث کو مجتہدین نے قبول کر لیا ہو وہ باوجود ضعف سند کے قابلِ قبول ہوتی ہے، اس لیے کہ مجتہدین سلف کا قبول کرنا اور دلیل قرار دینا اس بات کا قرینہ ہوتا ہے کہ حدیث کی کوئی صحیح سند ان کو معلوم ہو گی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی، لیکن اس حدیث کو تو مجتہدین سلف کی غالب ترین اکثریت نے رد کر دیا ہے اور اسے مجتہدین میں قبول عام حاصل نہیں ہوا۔

دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ "جب رومیوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور قرآن کریم نے پیشین گوئی کی کہ رومی چند سالوں (بضع سنین) میں دوبارہ غالب آجائیں گے تو اُبی بن خلف نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے شرط لگا دی کہ اگر رومی ۹ سال کے اندر اندر دوبارہ غالب نہ آئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا اور اگر غالب آگئے تو تم مجھے سو اونٹ دو گے۔ یہ معاملہ صاف جوا تھا۔ جب غزوۂ بدر کے سال رومی غالب آگئے تو ابو بکرؓ صدیق نے اُبی بن خلف کے وارثوں سے (وہ خود مر گیا تھا) شرط کے مطابق اونٹ حاصل کیے[1]

اس روایت سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ چونکہ مکہ اُس وقت دار الحرب تھا اور دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود اور جوا جائز ہے، اس لیے رسول اللہ

---

[1] سنن ترمذی کتاب التفسیر سورۃ روم۔ تفسیر ابن جریر سورہ روم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے نہ شرط بدلنے سے روکا اور نہ جوئے میں جیتے ہوئے یہ اونٹ واپس دلوائے۔

لیکن یہ استدلال اس لیے درست نہیں ہے کہ ترمذی ہی کی ایک اور روایت میں راوی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واقعہ جوئے کے حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے[1]۔ سود اور جوئے کی حرمت کا حکم بعد میں نازل ہوا تھا اور یہ واقعہ اس حکم کے نزول سے بہت پہلے کا ہے۔ شرط تو باندھی گئی تھی ہجرت سے پہلے اور اونٹ جنگ بدر کے سال ۲ھ میں یا اس سے بھی بعد میں وصول کیے گئے تھے اور اس وقت تک یقیناً جوئے کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ براءؓ بن عازب کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:

"تصدق به وفی روایۃ هذا السحت تصدق به"[2]

(یہ ایک مکروہ مال ہے اسے صدقہ کر دو)

اگرچہ اس وقت جوا حلال تھا، لیکن پھر بھی یہ ایک مکروہ اور خلافِ مروت چیز ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کر دو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اسلام لانے کے باوجود مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور لوگوں کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ مکہ چونکہ اس وقت دارالحرب تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سودی کاروبار سے منع نہیں کیا تھا۔ اگر دارالحرب میں بھی کافروں کے ساتھ سودی کاروبار منع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ترمذی حوالہ مذکور

[2] تفسیر درمنثور از سیوطیؒ طبع ۱۹۸۳ء ص ۴۷۹، ۴۸۰ جلد ۶
روح المعانی و تفسیر قرطبی سورۂ روم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ضرور منع فرما دیتے، اس لیے کہ یہ تو مسلمان ہو گئے تھے۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں، ابن الاثیر جزریؒ نے "اسد الغابہ" میں اور ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں ایک روایت تو یہ لکھی ہے کہ حضرت عباسؓ دراصل ہجرت سے پہلے ہی مُسلمان ہو چُکے تھے اور ہجرت کرنا چاہتے تھے، مگر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیغام بھیجا کہ تمہارا مکّہ ہی میں رہنا مُسلمانوں کے لیے مفید ہے، چنانچہ وہ مکّہ سے مُسلمانوں کو حالات اور خبریں بھیجا کرتے تھے اور اپنے اسلام کو انہوں نے کفّارِ مکّہ سے چھپائے رکھا تھا۔ غزوۂ بدر میں کفّارِ مکّہ ان کو زبردستی ساتھ لے گئے۔ قید ہونے پر آپ نے اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل کا فدیہ ادا کیا اور واپس مکّہ تشریف لے گئے اور پھر فتح مکّہ سے تھوڑی مُدت قبل انہوں نے ہجرت فرمائی اور فتح مکّہ میں شریک ہوتے۔ دوسری روایت یہ نقل ہوئی ہے کہ حضرت عباسؓ فتح خیبر (۷ھ) سے کچھ مدت قبل مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن حضرت عباسؓ کا کاروبار حرمت کے قطعی، حتمی اور آخری حکم آنے سے پہلے تھا۔ حتمی حکم آجانے پر حجۃ الوداع میں (اور اس سے قبل فتح مکّہ کے موقع پر بھی) رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرما دیا کہ:

" ربا الجاهلية موضوعٌ واوّل رباً أضعُ ربانا ربا العباس فانه موضوع كلّه"[1]

(جاہلیت کا سود ساقط ہو گیا ہے اور پہلا سود جسے میں ساقط کرتا ہوں ہمارے خاندان کا سود ہے یعنی عباسؓ کا سود یہ بھی سارا ختم کر دیا ہے)

بخاری کے حوالے سے اس سے پہلے سوال نمبر ۱ کے جواب میں ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کر دی گئی ہے کہ آخری آیت جو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی تھی وہ

---

[1] صحیح مسلم فی حدیث طویل کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سود کی حرمت کی آیت تھی، یعنی حتمی اور کلی حرمت کی آیت۔

چوتھی دلیل یہ بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو نضیر کی جلاوطنی کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا ہمارے کچھ قرضے یہاں کے بعض لوگوں پر بقایا ہیں جن کی میعاد ابھی پوری نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ضَعُوْا وَتَعَجَّلُوْا" [1]

(کچھ کم کر دو اور باقی میعاد سے پہلے لے لو)

اس روایت پر استدلال یوں کیا گیا ہے کہ بنو نضیر کا علاقہ عملاً دارالحرب تھا اور دارالحرب میں کافر اور مسلمان کے درمیان چونکہ سود جائز ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرضے کی مقدار میں کمی کر دو اور باقی وقت سے پہلے لے لو[2] حالانکہ یہ تو سود ہی کی ایک شکل ہے۔ مدت میں کمی کی وجہ سے ۱۰۰ کے بدلے میں ۸۰ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ مدت میں اضافے کی وجہ سے ۸۰ کے بدلے میں ۱۰۰ لینا، بشرطیکہ احساناً کمی بیشی نہ کی گئی ہو، بلکہ شرط اور معاہدے کی بنا پر ایسا کیا گیا ہو اور بنو نضیر کو تو باقاعدہ معاہدے کی دعوت دی گئی تھی۔ اگر دارالحرب میں ربا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کی پیش کش نہ فرماتے۔ لیکن درج ذیل وجوہات کی بنا پر دارالحرب میں جواز ربا کے لیے اس روایت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا:

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو نضیر اصل میں تو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری تھے اور "معاہدۂ مدینہ" کی وجہ سے مدینہ کی ریاست میں رہتے تھے۔[3] انہوں نے عہد شکنی کی اور رسول اللہ

---

[1] مستدرک حاکم ص ۵۲ جلد ۲، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۷ جلد ۲، مجمع الزوائد طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۳ جلد ۴

[2] حالانکہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے۔ یہ علاقہ اسلامی ریاست کی حدود میں شامل تھا اور یہود غیر مسلم شہریوں کی حیثیت سے از روئے معاہدہ یہاں رہتے تھے۔ (گوہر رحمٰن)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قتل کا منصوبہ بنایا جو وحی آجانے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا۔ آخر کار یہ لوگ مصالحت پر مجبور کر دیے گئے اور جلاوطن کر دیے گئے۔ ان کا تو سارا مال مالِ فیئ تھا اس لیے کہ محاصرے کے نتیجے میں ملا تھا اگرچہ جنگ کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان پر یہ احسان فرمایا تھا کہ اپنے قرضوں میں کمی کر کے باقی لے لو اور اسلحہ کے علاوہ جو چیز بھی ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ اس واقعے کو دارالحرب میں جوازِ ربا کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محاصرے اور فتح بنو نضیر سے پہلے یہ علاقہ دارالحرب تھا تو فتح کے بعد تو یہ دارالاسلام کا حصہ بن گیا اور ضَعُوا وَتَعَجَّلُوْ کی پیش کش تو ظاہر ہے کہ صلح اور فتح کے بعد کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ روایت دارالاسلام کی حدود کے اندر بھی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سود کے جواز کی دلیل بن جاتی ہے، حالانکہ یہ کسی کا بھی مسلک نہیں ہے۔

ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کا یہ واقعہ ۴ھ کا ہے اور اس وقت سود حرام ہی نہیں ہوا تھا تو اس واقعے کو دارالحرب میں جوازِ ربا کی دلیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔

ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ مُدت میں کمی کے بدلے میں قرض کی مقدار میں (وضع وتعجل کی صورت) کمی کرنا عین ربا نہیں ہے، بلکہ شبہ ربا ہے اور ذریعۂ ربا ہے، یعنی یہ حقیقی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اس کی حقیقی ربا کے ساتھ مشابہت ہے۔ جمہور فقہا تو اسے ناجائز کہتے ہیں۔ بعض صحابہ سے بھی اس کے عدم جواز کے اقوال نقل ہوئے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ شکل بھی ناجائز ہے، لیکن بعض علماء سے اس کا جواز بھی منقول ہے اس لیے یہ روایت دارالحرب میں (اگر بنو نضیر کے علاقے کو دارالحرب مان بھی لیا جائے) حقیقی ربا کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ھ) چوتھی اور آخری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔ امام حاکمؒ نے مستدرک میں اگرچہ اسے صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی مسلم بن خالد زنجی ضعیف ہے اور دوسرا راوی عبدالعزیز بھی ثقہ نہیں ہے[1]

ذہبیؒ کے اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ زنجی بالاتفاق ضعیف نہیں ہے، بعض محدثین نے اسے ثقہ بھی کہا ہے اور عبدالعزیز اگر غیر ثقہ بھی ہو مگر بیہقیؒ کی سنن کبریٰ ص۲۷ جلد ۲ پر اس کی موافقت اور تائید میں حکم بن موسیٰ کی روایت بھی موجود ہے جو امام مسلمؒ کی شرائط کے مطابق ہے۔ اسی طرح یحییٰ بن معین عجلیؒ، ابوحاتم رازیؒ اور ابن سعدؒ نے بھی حکم بن موسیٰ کو ثقہ قرار دیا ہے، اس لیے یہ حدیث دوسری سند کے اعتبار سے قابلِ قبول ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث کی سند اعتراض سے تو خالی نہیں ہے۔ یہ ہیں وہ روایات جن کی بنیاد پر دارالحرب میں سود کو جائز قرار دیا جا رہا ہے، لیکن ان روایات کا جو جائزہ ہم نے لیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتیں اور یہ اتنی قوی اور واضح تو نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر قرآن کریم کے عام حکم سے دارالحرب کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ حنفی مسلک تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے عام حکم اور مطلق حکم میں تخصیص و تقیید خبر واحد صحیح الاسناد کے ذریعے بھی جائز نہیں ہے اور یہاں تو خبر واحد صحیح الاسناد اور صریح الدلالۃ بھی موجود نہیں ہے۔

پانچویں دلیل یہ بیان کی گئی ہے اور اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ دارالحرب کے کفار کا مال مسلمانوں کے لیے مباح ہے، اس لیے جس ذریعے سے بھی یہ مال حاصل کر لیا جائے جائز ہے، لیکن حربی کا مال بلکہ اس کی جان بھی حالتِ جنگ میں مباح ہوتی

---

[1] تعلیقات ذہبی بر مستدرک حاکم ص۵۲ جلد ۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ عام حالات میں تو ان کے اموال مباح نہیں ہو سکتے۔ یعنی جب مُسلمانوں اور کافروں کے درمیان حالتِ جنگ قائم ہو، بالفعل جنگ جاری ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں اباحتِ مال کا حکم دیا جا سکتا ہے، لیکن کیا جو لوگ امن کے ساتھ کفار کے مُلک میں رہتے ہوں یا دارالاسلام سے امن لے کر عارضی قیام کے لیے دارالحرب میں داخل ہوئے ہوں ان کے لیے بھی وہاں کے کفّار کا مال مباح ہے؟ اس کے لیے قرآن و سُنت سے کوئی دلیل ہونی چاہیے جو موجود نہیں ہے۔ قرآن و سُنت سے اموالِ فیئ اور اموالِ غنیمت کا جواز تو ثابت ہے، مگر یہ حالتِ جنگ سے متعلق احکام ہیں یا بغیر جنگ کے، صلح کی بنا پر یا کفار کے بھاگ جانے کی بنا پر جو اموال مُسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوں وہ مالِ فیئ ہوں گے۔ غنیمت اور فیئ بھی حکومت کے حوالے کیا جائے گا جسے وہ شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرے گی۔ اگر دارالحرب کے کفّار کا مال مطلقاً مباح ہے خواہ حالتِ جنگ ہو یا نہ ہو، تو پھر جواز کے قائلین نے یہ شرط کیوں لگائی ہے کہ یہ مال زبردستی نہ چھینا گیا ہو اور دھوکہ دے کر بھی نہ لیا گیا ہو؟ مالِ مباح کے حصول کے لیے تو مالک کی رضامندی شرط نہیں ہوتی۔ غالباً انہی وجوہات کی بنا پر حنفی مسلک کے ممتاز فقیہ ابن الہمامؒ نے بھی مسلکِ جواز کی دلیل میں اپنے شبہے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "یہ حدیث یعنی لا ربا بین المسلم والحربی نصوصِ مطلقہ کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جا سکتی ہے جبکہ یہ صحیح اور قوی حدیث ہو۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ قابلِ استدلال ہے پھر بھی چونکہ یہ خبرِ واحد ہے اس لیے اس کے ذریعے قرآن کریم کے مطلق اور عام حکم میں تقیید و تخصیص حنفی اصول فقہ کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ حرمت کے احکام ان اموال سے متعلق ہیں جو مباح نہ ہوں اور حربیوں کا مال تو مباح ہے۔ اس جواب کا تقاضا تو پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو۔ اس لیے ان کا مال اگر ہمارے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مباح بھی ہو ہمارا مال تو ان کے لیے مباح نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوئے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کا مسلک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]"

ابن الہمامؒ کے مذکورہ بیان سے صاف طور پر متشرح ہوتا ہے کہ ان کو دارالحرب میں جوازِ ربا کے دلائل پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے، بالخصوص حربی کفار کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمامؒ بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

ابن عابدین شامیؒ نے بھی "شرح السیر الکبیر" کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"جس علت کی بنا پر دارالحرب میں ربا کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حربی کا مال مباح ہے، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ حربی سے سود لینا تو جائز ہو، مگر اسے سود دینا جائز نہ ہو[2]"

علماءِ دیوبند کا فتویٰ:

علماءِ دیوبند جو حنفی مسلک رکھتے ہیں ان کے ممتاز علماء نے دارالحرب میں بھی سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے جو جمہور فقہاءِ اسلام کا مسلک ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"کفار سے بھی سود لینا درست نہیں ہے[3]" (فتاویٰ رشیدیہ طبع لاہور ص ۴۱۰، ۴۱۲)

---

[1] فتح القدیر باب الربا ص ۳۹ جلد ۷ [2] ردالمحتار حاشیہ درمختار ص ۲۶۰، ۲۶۱ جلد ۴

[3] حضرت گنگوہیؒ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دارالحرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ (گوہر رحمٰن)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی حنفی ہونے کے باوجود امام ابو یوسفؒ اور جمہور کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور دار الحرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔ [1]

دار العلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن کا فتویٰ بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے کو انہوں نے بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے نقل کیا ہے [2]

مفتی کفایت اللہ نے بھی دار الحرب میں سود دینے کو ناجائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں [3] (دار الحرب کی حدود کے اندر)

اگر کوئی حنفی عالم یہ سوال کرے کہ حنفی ہوتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کے قول کو کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کا درجہ فقاہت میں ابو یوسفؒ سے بلند ہے وہ اُستاد ہیں اور یہ شاگرد ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ حرام علی من لا یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی (یعنی حرام ہے اس شخص پر جو دلیل معلوم کیے بغیر میرے قول پر فتویٰ دیتا ہو) [4]

درمختار کے مقدمے اسم المفتی میں ہے کہ اگر کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو جو شخص دلیل کی قوت کو سمجھ سکتا ہو وہ اس قول کو اختیار کرے جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہو۔ [5]

---

[1] امداد الفتاویٰ طبع کراچی ۱۳۹۷ھ، ص ۱۵۵ تا ۱۶۰ جلد ۳

[2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند عزیز الفتاویٰ ص ۶۶۵، ۶۶۶ جلد ۲ باب السلم والربا طبع کراچی

[3] کفایت المفتی طبع ملتان ص ۶۹، ۷۱ جلد ۸

[4] المیزان الکبریٰ للشعرانی ص ۵۸ جلد ۱

[5] درمختار مع رد المحتار، ص ۶۵، ۶۶ جلد ۱ بحوالہ الحاوی القدسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ امام ابو یوسفؒ کی رائے دلیل کے لحاظ سے قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا حکم عام ہے اور قطعی ہے۔ باقی ائمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تائید میں صرف ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا قول طحاوی کی مشکل الآثار میں ملتا ہے۔ باقی کسی کا قول نظر سے نہیں گزرا، اس لیے حنفی اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کو ترجیح دی جائے۔

اگر امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اختیار بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اس کا اطلاق ان غیر مسلم ممالک پر نہیں ہوتا جن کے ساتھ مسلم ممالک کے معاہدے قائم ہیں، اس لیے کہ ان کا مال تو مباح نہیں ہے۔ معاہدین کا ملک اگرچہ اس لحاظ سے تو دار الحرب ہے کہ کسی بھی وقت وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر کے جنگ چھیڑ سکتے ہیں۔ یعنی نظریاتی مخاصمت کسی بھی وقت عملی مخاصمت کی شکل اختیار کر سکتی ہے، مگر جب تک معاہدہ قائم ہے اس وقت تک وہ مباح الاموال نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا کوئی شخص دار الاسلام کے رہنے والے کسی شخص کے ہاتھ سے خطأً قتل ہو گیا ہو تو اس کی دیت بھی دینی ہو گی۔[1]

آج مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان بین الاقوامی معاہدے قائم ہیں اس لیے امام صاحبؒ کے فتوے کی رُو سے بھی مُسلم اور غیر مُسلم ریاستوں کے باشندوں کے درمیان سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ باقی رہیں ریاستیں تو مُسلم اور غیر مُسلم ریاستوں کے درمیان سود کا لین دین تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل :

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ قرآنِ کریم میں سود کے حرام ہونے کی آیتیں عام ہیں۔ حرّم الربوا، وذروا ما بقی من الربا

---

[1] (سورہ النساء آیت ۹۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور لاتاکلوالربا میں کسی تخصیص واستثنا کی دلیل موجود نہیں ہے۔ مسلمان نے ہر جگہ اسلام کے احکام کی پابندی کرنے اور محرمات سے اجتناب کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس کے علاوہ سود کی جو اخلاقی اور معاشی خرابیاں ہیں ان کا تعلق بھی کسی مخصوص دور اور ملک سے نہیں ہے، بلکہ جہاں بھی سود خواری ہوگی وہاں یہ خرابیاں نمودار ہوں گی۔ خود غرضی، مادہ پرستی، سنگدلی اور بے رحمی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جو سود خواری سے پیدا ہوتی ہیں اور معاشی عدم توازن اور دولت کا ارتکاز وہ اقتصادی خرابیاں ہیں جو سود کی خاصیات ہیں۔ سود دارالاسلام میں ہو، دارالحرب میں ہو یا دارالصلح میں ہو اس سے یہ بیماریاں ضرور پیدا ہوں گی، اس لیے اسلام نے اسے ہر جگہ اور ہر ملک میں حرام کیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNAT.COM

بیمے کا کاروبار سود کے بغیر

سوال: کیا بیمے کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جانا ممکن ہے؟

جواب: ہاں جناب! بالکل ممکن ہے، مگر اس کو چلانے کے لیے بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام ختم کرنا ضروری ہے۔ بیمہ کا سودی اور غیر سودی کاروبار اگر بیک وقت جاری رکھا جائے تو غیر سودی بیمہ کا نظام نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگا۔

بیمہ کی متبادل غیر سودی صورتیں بیان کرنے سے پہلے موجودہ نظام کے بارے میں صحیح صورتِ حال کی وضاحت مناسب ہوگی، اس لیے کہ بعض لوگ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سود اور قمار پر مشتمل ہے:

بیمہ کمپنیوں نے یہ بات بہت مشہور کر دی ہے کہ بیمہ تو باہمی تعاون کا ایک نظام ہے جس کا مقصد حوادث و آفاتِ سماویہ سے متاثر ہونے والوں کی امداد کرنا اور ان کے نقصانات کی تلافی کرنا ہے۔ نظریاتی لحاظ سے تو بیمے کا یہی مقصود ہونا چاہیے اور آغاز میں بیمہ اسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن حکم اور فیصلہ تصوراتی حقائق اور محض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعووں کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا، بلکہ حقائق واقعیہ اور عملاً جو کچھ ہو رہا ہے اس کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کا مروجہ کاروبار سودی کاروبار ہی کی ایک شکل ہے جسے باہمی تعاون و تکافل کا نام دیا جا رہا ہے۔ فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ :

"العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی" [1]

(عقود اور معاہدوں میں اعتبار اصل مقاصد کا ہوتا ہے صرف الفاظ کا نہیں ہوتا)

مقصد ان کمپنیوں کا سود اور جوئے پر مشتمل ایک کاروبار کر کے نفع کمانا ہے۔ آفت زدہ لوگوں کے نقصان کی تلافی ان کا اصل مقصد نہیں ہے۔ باہمی تعاون تو تب ہوتا کہ بیمہ داروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا کہ ہم مشترکہ فنڈ سے ایک دوسرے کے نقصانات کی تلافی کریں گے، لیکن عملاً تو معاہدے بیمہ کمپنیوں اور بیمہ داروں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس معاہدے کی نوعیت کیا ہے؟ مصر کے ایک ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے اس قانون کی تعریف اس طرح کی ہے :

"التامین عقد یلتزم المؤمِّنُ بمقتضاہ ان یؤدّی الی المؤمَّن لہ او الی المستفید الذی اشترط التامین لصاحبہ مبلغاً من المال او ایراداً مُرتّباً او ایّ عوضٍ مالیّ فی حالۃ وقوع الحادث او تحقق الخطر المُبیّن بالعقد وذالک فی نظیر قسطٍ او ایّۃ دفعۃٍ مالیّۃ أخری یُؤدیھا المؤمَّن لہ للمؤمِّن" [2]

---

[1] المجلہ مادہ ۳ ۔ مُعین الحکام، باب ۳۰

[2] الوسیط فی الفقہ المدنی، طبع بیروت ۱۹۶۴ء ص ۱۰۸۴ جلد ۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(بیمہ ایک معاہدہ ہے جس میں تحفظ دینے والا یہ پابندی قبول کرتا ہے (وعدہ کرتا ہے) کہ وہ تحفظ حاصل کرنے والے کو (بیمہ دار کو) یا اس مستفید کو جس کے لیے بیمہ کرایا گیا ہے رقم کی کوئی مقدار یا طے شدہ منافع یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ کسی حادثے یا معاہدے میں بیان کردہ خطرے کے واقع ہو جانے کی حالت میں ادا کرے گا اور یہ ادائیگی ادا کردہ قسطوں یا کسی دوسری مالی ادائیگی کی نسبت سے کی جائے گی۔)

مختلف ممالک میں بیمے کے قانون کی جزئیات میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ ایک مالی معاہدہ ہے جس کا ایک فریق بیمہ دار ہوتا ہے جو ایک متعین رقم قسطوں کی شکل میں (یا یکمشت) معین مدت کے لیے بیمہ کمپنیوں کو ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق کمپنی ہوتی ہے جو ان قسطوں کے بدلے میں اور ان کی نسبت سے کسی حادثے کی وجہ سے املاک کے نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

زندگی کے بیمے، املاک کے بیمے اور ذمہ داریوں کے بیمے کے درمیان جزئیات میں فرق ہے، لیکن ایک بات تینوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ یہ ایک عقد مالی یعنی مالی لین دین ہے۔ کمپنی بیمہ داروں کی جمع کردہ رقم کو آگے سودی کاروبار میں لگاتی ہے اور سود کی اس رقم سے بیمہ داروں کو بھی حصہ دیتی ہے اور خود بھی لیتی ہے۔

اس عقد مالی میں قسطوں کی رقم اس رقم کے معاوضے اور بدلے میں دی جاتی ہے جس کا وجود بھی مجہول اور مشکوک و مشتبہ ہے، اس لیے کہ یہ رقم اس وقت وجود میں آتی ہے جبکہ حادثہ رونما ہو جائے اور حادثے کا وجود صرف ایک احتمالی وجود ہے لہٰذا اس رقم کا وجود میں آنا بھی ایک احتمالی وجود ہے، حقیقی وجود نہیں ہے۔ اس رقم کا حاصل کرنا بھی مشکوک اور احتمالی ہے، اس لیے کہ جس چیز کا وجود احتمالی اور مشکوک ہو اس کا حصول بھی احتمالی اور مشکوک ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس رقم کی مقدار بھی مجہول اور غیر معلوم ہے، اس لیے کہ نقصان کا اندازہ تو حادثہ واقع ہو جانے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے عقدِ مالی کو بیع غرر کہا جاتا ہے جو ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ دراصل جوئے کی ایک شکل ہے۔

"عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الغرر" [1]

(ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمادیا ہے)

بیع غرر کی بہترین تشریح امام مالکؒ نے اس طرح کی ہے:

"قال ابن وھبؒ قال لی مالکؒ تفسیر ما نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ من بیع الغرر ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلتہ او دابتہ او غلامہ وثمن ھذہ الاشیاء خمسون دینارا فیقول انا آخذ ھا منک بعشرین دینارا فان وجدھا المبتاع ذھب من مال البائع ثلاثین دینارا وان لم یجدھا ذھب البائع منہ بعشرین دینارا وھما لا یدریان کیف یکون حالھا فی ذالک واذا وجدت تلک الضالۃ کیف توجد وما حدث فیھا من امر اللہ ما یکون فیہ نقصھا او زیادتھا فھذا اعظم المخاطرۃ" [2]

(ابن وھبؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ جس بیع غرر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کی تشریح اس مثال سے ہو جاتی

---

[1] صحیح مسلم فی البیوع باب بطلان بیع الحصاۃ

[2] المدونۃ الکبریٰ طبع سعادت ۱۳۲۳ھ صفحہ ۲۰۶ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جائے جس کا اونٹ یا کوئی اور جانور یا غلام گم ہو گیا ہو۔ ان چیزوں کی قیمت (مثلاً) ۵۰ دینار ہے۔ اس شخص نے یہ گم شدہ اونٹ ۲۰ دینار میں خرید لیا۔ اگر خریدار کو وہ گم شدہ چیز مل جاتی ہے تو اس صورت میں بیچنے والے کو ۳۰ دینار کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو بائع کو ۲۰ دینار مفت میں مل گئے۔ بائع اور مشتری دونوں نہیں جانتے کہ گم شدہ چیز کا کیا حال ہوگا، ملے گی یا نہیں ملے گی اور اگر مل بھی جائے تو پتہ نہیں کس حال میں ملے گی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ کے حکم سے اس میں کیا کمی بیشی ہوئی ہے یہ بہت بڑا مخاطرہ یعنی بازی لگانا ہے)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیمہ کمپنیوں کا مروجہ کاروبار قمار اور جوئے کا کاروبار ہے جو ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ربا بھی شامل ہے اس لیے کہ اگر نقصان کی تلافی کی رقم بیمہ داروں کی قسطوں کی رقم سے زیادہ ہو اور بالعموم زیادہ ہی ہوتی ہے بلکہ کئی گنا زیادہ ہوتی ہے تو یہ اصل راس المال پر جو قسطوں کی شکل میں کمپنی کو دیا گیا تھا اضافہ ہے اور اسی کو ربا کہتے ہیں۔ سود کا یہ پہلو نفس عقد بیمہ میں موجود ہے، ورنہ بیمہ داروں کی رقوم آگے جو سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں اور اگر وقت مقررہ تک کوئی حادثہ رونما نہ ہوا یا زندگی کے بیمے کی صورت میں وقت مقررہ تک بیمہ دار کی موت واقع نہ ہوئی تو قسطوں کی رقم بمعہ سود کے واپس کر دی جاتی ہے، اس کا سود ہونا تو ہر ایک کو معلوم ہے لہٰذا سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے بیمہ کمپنیوں کا موجودہ کاروبار ممنوع ہے۔

ایک اور وجہ اس کاروبار کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اگر بالفرض نقصان کی تلافی کی رقم قسطوں کی رقم کے برابر ہو یا اس سے کم ہو (اگرچہ یہ صورتیں نادر الوجود ہیں) تو یہ نقد کو نقد کے بدلے میں ادھار فروخت کرنا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سونے کو سونے کے بدلے میں اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فروخت نہ کرو مگر اس صورت میں فروخت کر سکتے ہو کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہو۔"

ایک وجہ اس معاملے کے عدم جواز کی یہ بھی ہے کہ قسطوں کی رقم کمپنی کے ذمہ قرض ہے اور نقصان کی تلافی کی احتمالی اور امکانی رقم بھی اس کے ذمے قرض یعنی واجب الاداء ہے۔ جب ان دونوں رقوم کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے تو یہ بیع الدین بالدین یعنی ادھار کا ادھار کے بدلے میں فروخت کرنا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

"عن ابن عمرؓ قال نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع الكالئ بالكالئ بيع الدين بالدين"[1]

(ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کا ادھار کے بدلے فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے موجودہ مروّجہ کاروبار میں پانچ خرابیاں موجود ہیں:

- ایک یہ کہ یہ بیع غرر ہے جو کہ ممنوع ہے۔
- دوسری یہ کہ اس میں قمار اور جوا ہے۔
- تیسری یہ کہ اس کے نفس عقد میں بھی سود موجود ہے۔
- چوتھی یہ کہ بیع الدین بالدین، یعنی ادھار کے بدلے ادھار کا معاملہ ہے۔
- اور پانچویں یہ کہ بیمہ داروں کی رقوم سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں۔

---

[1] مصنف عبدالرزاقؒ متوفی ۲۱۱ھ طبع بیروت ۱۹۷۲ء ص۹۰ جلد ۸
مصنف ابن ابی شیبہؒ متوفی ۲۳۵ھ طبع کراچی ۱۹۸۶ء ص۵۹۸ جلد ۶
سنن کبریٰ للبیہقیؒ ص۲۹۰ جلد ۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی وجوہات کی بنا پر مفتی کفایت اللہ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مودودیؒ نے بھی بیمہ کی موجودہ شکلوں کو ناجائز قرار دیا ہے [1]

بیمہ کی جائز صورتیں :

اس میں شک نہیں کہ یہ دُنیا حوادث کی آماجگاہ ہے اور ان حوادث و آفات کی وجہ سے جن لوگوں کی املاک تباہ ہوئی ہوں ان کے نقصانات کی تلافی ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ باہمی تعاون اور اجتماعی تکافل و تضامن اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اچھے سے اچھے مقاصد کے لیے بھی اگر غلط اور غیر شرعی طریقے اختیار کیے جائیں تو وہ خیر کی بجائے شر ثابت ہوتے ہیں۔

بیمہ کمپنیوں کے مروّجہ سودی اور قمارى نظام کی جگہ اگر درج ذیل طریقے اختیار کیے جائیں تو ان شاء اللہ یہ معاشی انصاف اور اجتماعی تکافل کے لیے مفید ثابت ہوں گے اور یہ طریقے شرعاً جائز بھی ہیں :

(۱) بیمہ کمپنیوں کو مشارکہ کمپنیوں میں تبدیل کر دیا جائے اور بیمہ داروں سے حاصل شدہ مشترک سرمائے کو نفع نقصان میں شراکت کے شرعی اُصول کے مطابق تجارت یا صنعت میں لگایا جائے۔ اس سے جو منافع ہوتا ہو باہمی مشاورت اور رضامندی سے ان کا ایک حصّہ اس مشارکہ کمپنی کے حصّہ داروں کے نقصانات کی تلافی کے لیے یا ان کے وارثوں کی کفالت کے لیے وقف کر دیا جائے اور

---

[1] کفایت المفتی طبع ملتان، ص ۷۶، ۷۷ جلد ۸
امداد الفتاویٰ از مولانا تھانویؒ طبع کراچی، ص ۱۶۰، ۱۶۱ جلد ۳
رسائل و مسائل از مولانا مودودیؒ ص ۳۱۳ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی منافع حصّہ داروں میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے یا ان کے حصص میں شامل کر دیا جائے (حصّہ داروں کی اجازت سے) اگر تجارت میں خسارہ ہو گیا تو اس خسارے کو منافع کے ریزرو حصّے سے ہرگز پورا نہ کیا جائے اس لیے کہ وہ رقم تو وقف ہو چکی ہے، بلکہ باقی سرمائے کے تناسب سے خسارے کو تقسیم کر دیا جائے۔ اگر خدانخواستہ کمپنی دیوالیہ ہو گئی اور اس کا پورا سرمایہ ڈوب گیا تو اس کے لیے حکومت ہنگامی امداد کا انتظام کرے گی، تاکہ کمپنی دوبارہ اپنا کام شروع کر سکے۔

(۲) یا بیمہ کمپنیوں کو مضاربہ کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس کی صورت بھی مشارکہ کمپنیوں کے درج بالا طریقۂ کار کے مطابق ہو گی سوائے اس کے کہ خسارہ کمپنی پر نہیں ڈالا جائے گا، اس لیے کہ اس صورت میں کمپنی مضارب یعنی صرف کاروبار کا نظام چلانے والی اور کام کرنے والی ہو گی۔ سرمائے میں شریک نہیں ہو گی اور کام کرنے والے پر خسارے کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا، البتہ کمپنی باہمی فیصلے کے مطابق منافع میں حصّہ دار ہو گی۔ حوادث و آفات کی صورت میں مشارکہ اور مضاربہ دونوں صورتوں میں ریزرو فنڈ سے، یعنی وقف سے نقصان کے تناسب سے امداد انہی لوگوں کو ملے گی جو معاہدے کی شرائط کے مطابق پابند ہوں اور کمپنی کے حصّہ دار ہوں، اس لیے کہ اسلام میں وقف عام بھی جائز ہے اور وقف خاص بھی جائز ہے اور واقف اپنے وقف کردہ مال سے خود بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس نوع کی کمپنیاں جب ملک میں بڑے پیمانے پر چل پڑیں گی تو موجودہ سود و قمار پر مشتمل بیمہ سے بھی نجات مل جائے گی اور باہمی تکافل کا وسیع پیمانے پر ایک نظام بھی قائم ہو جائے گا۔

(۳) صنعتی اور تجارتی اداروں کے مزدوروں کا بیمہ تو قمار اور ربا کے بغیر بڑی آسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کرایا جا سکتا ہے کہ کچھ حصّہ مزدوروں کی تنخواہ سے کاٹا جائے۔ کچھ حصّہ کارخانوں اور اداروں کی جانب سے ڈالا جائے اور کچھ حصّہ حکومت اس میں شامل کرے اور اس فنڈ سے مزدوروں کو معذور ہو جانے پر یا بڑھاپے کے وقت امداد دی جائے اور مزدور کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے وارثوں کی مدد کی جائے۔ باقی رہے سرکاری ملازمین تو ان کے لیے پراویڈنٹ فنڈ کا طریقہ اب بھی موجود ہے۔

(۴) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم پیشہ لوگ اپنے پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل امدادِ باہمی کی انجمنیں بنائیں۔ ان انجمنوں کے مشترکہ فنڈز ہوں جن میں انجمنوں کے ممبرز ماہانہ یا سالانہ کے حساب سے طے شدہ فیصلے کے مطابق عطیات داخل کریں۔ حکومت بھی ان فنڈز میں عطیات جمع کرائے اور عام لوگوں سے بھی امداد کی اپیل کی جائے۔ اس فنڈ سے انجمن کے ممبران کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے جو حوادث اور آفات سماویہ کی وجہ سے ہوئے ہوں۔ ممبران انجمن کے عطیات سے جمع شدہ سرمایہ وقف کی حیثیت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ممبران نے جو عطیے دیے ہوں وہ نقصان کی تلافی کی رقم کا معاوضہ اور بدل نہیں ہوں گے، اس لیے نہ غرر ہوگا، نہ قمار ہوگا نہ ربا ہوگا اور نہ بیع الدّین بالدّین ہوگا، کیونکہ یہ باہمی تعاون کے لیے ایک چندے اور عطیے کی حیثیت سے دیے جائیں گے اور واپس بھی نہیں کیے جائیں گے یہ کوئی مالی کاروبار اور عقد مالی نہیں ہوگا۔ یہ مضاربہ یا مشارکہ کمپنیاں نہیں ہوں گی۔ انجمن کے ممبران کا کاروبار الگ ہوگا، مگر ان کے عطیات و تبرّعات سے ایک وقف فنڈ قائم ہو جائے گا جو وقف خاص کے اصول کے مطابق صرف انجمن کے ممبران کی امداد اور تلافیٔ نقصان پر خرچ ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) قتلِ خطاء کی ادائیگی اور مقتول کے وارثوں کی معاشی کفالت کے لیے "نظامِ معاقل" قائم کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس نظام کو حکومت قانوناً بھی قائم کرا سکتی ہے اور اسے قائم کرانا چاہیے! ہم پیشہ افراد کی انجمنیں ایک مشترکہ فنڈ قائم کریں اور طے شدہ شرح کے مطابق اس میں ماہانہ یا سالانہ عطیات جمع کرائیں۔ انجمن کے ممبران کے ہاتھ سے اگر قتلِ خطاء سرزد ہوجائے، مثلاً ایکسیڈنٹ کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوجائے، تو اس فنڈ سے مقتول کے قانونی، یعنی شرعی وارثوں کو دیت کے شرعی احکام کے مطابق دیت ادا کی جائے گی۔

اگر قبیلوں اور برادریوں کا منظّم نظام موجود نہ ہو تو ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں اور "اہلِ دیوان" یعنی ایک محکمے سے تعلق رکھنے والے ملازمین کی انجمنیں "عاقلہ" یعنی دیت ادا کرنے والے قرار دی جاسکتی ہیں۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ مذکورہ ساری انجمنوں کے فنڈز وقف خاص ہوں گے، مگر ممبران کے فیصلے کے مطابق ان کو تجارت میں بھی لگایا جاسکتا ہے جس کے منافع لازماً ان فنڈز میں جمع کرانے ہوں گے۔ شرکاءِ انجمن میں تقسیم نہیں کیے جاسکیں گے۔

(۶) مرکزی حکومت ملکی سطح پر بھی ایک فنڈ قائم کرے۔ بجٹ میں اس کے لیے مناسب رقوم مختص کرے اور عام شہریوں سے اپیل کرے کہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔ اگر ملک میں بڑے پیمانے پر آفت اور تباہی آگئی ہو تو سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور زمینداروں (لینڈ لارڈز) سے مخصوص تناسب کے ساتھ جبراً اور قانوناً بھی رقوم لی جاسکتی ہیں۔ اس حکومتی اور قومی فنڈ سے بغیر کسی علاقائی اور پیشہ ورانہ تخصیص کے ریاست کے شہریوں کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے گی جو حوادث و آفات کی زد میں آگئے ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۷) بیمہ کے مقاصد زکوٰۃ و عُشر سے بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے چھٹے نمبر پہ غارمین کا ذکر ہوا ہے جو غارم کی جمع ہے غارم کے لغوی اور حقیقی معنے ہیں "من علیہ الدّین" یعنی وہ شخص جو مقروض ہو گیا ہو اور قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو، لیکن جس شخص کا مال کسی حادثے کی وجہ سے تباہ ہو گیا ہو اور اس پہ لوگوں کے قرضے بقایا رہ گئے ہوں یا لوگوں کے قرضے تو اس پہ نہ ہوں، لیکن مال کی تباہی کی وجہ سے یہ اپنے گھر کے اخراجات کے لیے قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو تو اس کو زکوٰۃ و عُشر کے فنڈ سے اتنی رقم دی جا سکتی ہے کہ جس سے اس کے تباہ شدہ مال کے نقصان کی تلافی ہو جائے اور یہ اپنا روزگار دوبارہ بحال کر سکے۔

عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردِ خاص حضرت مجاہدؒ بن جبر فرماتے ہیں:

" ثلاثة من الغارمين رجل ذهب السيل بماله و رجلٌ اصابه حريقٌ فذهب بماله و رجل له عيال وليس له مال فهو يَدّانُ و يُنفِق على عياله "۔ [1]

(تین قسم کے لوگ غارمین میں شامل ہیں، ایک وہ شخص جس کے مال کو سیلاب بہا کر لے گیا۔ دوسرا وہ شخص جس کے مال کو آگ نے جلا دیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو عیالدار ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو، تو وہ لوگوں سے قرض لے کر اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرتا ہے۔)

سیلاب اور آگ وہ حوادث و آفات ہیں جن کی وجہ سے املاک تباہ ہوتی ہیں۔ ایسے حوادث کے وقت نقصانات کی پوری یا جزوی تلافی زکوٰۃ فنڈ سے کی جا سکتی ہے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ طبع کراچی ص ۲۰۷ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر زکوٰۃ فنڈ سے نقصانات کی تلافی اسی وقت جائز ہوگی کہ آفت زدہ شخص کا سارا مال تباہ ہو گیا ہو، حتّٰی کہ وہ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھی قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو۔ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے قابل بھی نہ رہا ہو، ایسا شخص حکومت سے زکوٰۃ طلب کر سکتا ہے۔

قبیصہ بن مخارقؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

"ورجلٌ اصابته جائحةٌ اجتاحت مالَه فحلت له المسئلة حتّٰی یُصیبَ قِواماً من عیش او قال سِداداً من عیشٍ"[1]

(جس شخص پر ایسی آفت آپڑی ہو جس نے اس کا مال مکمل طور پر تباہ کر دیا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ سے تلافی کا مطالبہ کرنا حلال ہے۔ (حدیث کے سیاق و سباق میں زکوٰۃ کا ذکر ہے) تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضرورت پوری کر سکے یا یوں فرمایا تھا کہ اپنی معیشت کے نقصان اور خلل کی تلافی کر سکے)

حقیقت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ و عشر کا نظام پوری طرح اور صحیح طور پر نافذ کر دیا جائے تو غارمین، یعنی آفت زدہ لوگوں کے نقصانات کی تلافی بڑی حد تک زکوٰۃ فنڈ سے بھی ہو سکتی ہے اور دوسری وہ چھ تدابیر جن کا میں نے ذکر کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ موجودہ بیمہ کمپنیوں کے سود خوری کے نظام کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

---

[1] نیل الاوطار باب الغارمین کتاب الزکوٰۃ صـ ۲۳۵ جلد ۴ طبع لبنان ۱۹۸۳ء بحوالہ مسلمؒ، نسائیؒ، ابوداؤدؒ، احمد بن حنبلؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ

سوال: پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب: سیونگ اکاؤنٹس کا سسٹم تو عملاً سود ہی پر چل رہا ہے، اگرچہ اس کا نام بدل دیا گیا ہے، لیکن پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں کے ملازمین کا پراویڈنٹ فنڈ میں نے سنا ہے کہ مزدوروں اور اداروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹیوں کی تحویل میں ہوتا ہے جو ملازمین اور اداروں کی نمائندہ (وکیل) ہوتی ہیں۔ چونکہ وکیل کا قبضہ شرعاً موکل کا قبضہ متصور ہوتا ہے اس لیے یہ فنڈ ملازمین کے قبضے اور ملکیت میں آجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قبضے کے بعد گویا اپنے مملوکہ مال پر سود لینا ہے جو کس طرح حلال ہو سکتا ہے، لیکن سرکاری ملازمین کا جبری پراویڈنٹ فنڈ حکومت کے قبضے میں ہوتا ہے اور قانوناً ملازم کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ حکومت کے قانون میں بھی یہ فنڈ ملازمین کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا، نہ اس پر ٹیکس لگتا ہے اور نہ اس پر کسی اور قسم کے مالی حقوق عاید ہوتے ہیں، اگرچہ ضرورت کے وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ شرائط کے ساتھ ملازمین اس فنڈ سے قرض لے سکتے ہیں جو واپس فنڈ میں جمع کرانے ہوں گے۔ یہ فنڈ دراصل ملازمین کی تنخواہوں کا بقایا حق ہے جو حکومت کے ذمے واجب الادا ہے اور وہ اس حق کو طے شدہ شرائط کے مطابق ادا کرے گی، لیکن جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا۔ صرف حق کی حیثیت سے حکومت کے ذمے بقایا ہوتا ہے۔ حکومت ملازم کو ادائیگی کے وقت اس کی تنخواہ کے باقی حصے پر جو اضافی رقم دیتی ہے وہ ربا کی تعریف میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ ربا تو قرض پر اضافے کو کہتے ہیں جبکہ بطور شرط و معاہدہ لیا جائے اور یہ رقم جب ملازمین کی ملکیت ہی میں نہیں آئی تو قرض دینے اور اس پر سود وصول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ملازم نے قرض دیا ہے اور نہ اس پر اضافہ وصول کیا ہے۔ حکومت اگرچہ اسے سود کا نام دیتی ہے، لیکن جس طرح کہ سود کو غیر سودی نام دے کر حلال نہیں کیا جا سکتا اسی طرح عطیے اور امداد کو سود کا نام دے کر حرام نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اضافی رقم دراصل حکومت کی طرف سے ایک عطیہ اور اعانت ہے جس کو سود کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے اور اسی سوال کی وجہ سے بعض بزرگوں نے اس اضافی رقم کو اعانت کے بجائے تنخواہ ہی کا ایک حصہ کہا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ عطیہ اور اعانت تو تبرع اور احسان ہوتا ہے جسے قانوناً عدالت کے ذریعے جبراً وصول نہیں کیا جا سکتا، لیکن ملازمین اس اضافی رقم کو بھی حکومت سے عدالت کے زور پر وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت جب کسی کے لیے اعانت کا اعلان کر دے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط بنا دے تو اس پر وہ اعانت اور امداد واجب الادا ہو جاتی ہے، البتہ عام شہری اگر کسی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ امداد کا وعدہ کرلے تو اخلاقاً اس کا پورا کرنا ضروری ہے مگر عدالت اسے مجبور نہیں کرسکتی، اگرچہ امام مالکؒ کے نزدیک عدالتیں عام شہریوں کو بھی ایفائے عہد پر مجبور کرسکتی ہیں، اِلّا یہ کہ وہ ایفائے عہد سے معذور ہوں، مگر جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدالتیں مجبور نہیں کرسکتیں، اس لیے کہ یہ حقوق العباد نہیں ہیں، بلکہ احسانات اور تبرّعاتِ عام ہیں اور عدالتوں کا کام حقوق دلوانا ہے۔

جن حضرات نے اس اضافی رقم کو تنخواہ کا حصّہ قرار دیا ہے ان کی بات میں بھی وزن ہے، اس لیے کہ جب ملازمت پر تقرری کے وقت یہ طے ہوتا ہے کہ اتنی رقم اصل تنخواہ سے کاٹی جائے گی اور مخصوص تناسب سے کچھ رقم حکومت بھی اس میں اپنی طرف سے جمع کرے گی تو گویا یہ اضافی رقم بھی تقرری کے وقت سے ملازم کی تنخواہ میں شامل ہوگئی ہے۔ فریقین کو اس کا علم بھی ہے اور دونوں اس پر راضی بھی ہیں۔ جس طرح چیزوں کی قیمت معجّل بھی ہوسکتی ہے اور مؤجّل بھی ہوسکتی ہے، اسی طرح اجیر کی اُجرت بھی معجّل اور مؤجّل دونوں طرح طے کی جاسکتی ہے۔ تو گویا اصل تنخواہ سے کاٹی گئی رقم اور حکومت کی طرف اضافی رقم دونوں کا مجموعہ ملازم کی اُجرت کا ایک حصّہ ہے جو مؤجّل ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی آسکتا ہے کہ ملازم کے کھاتے میں جب اس کا پراویڈنٹ فنڈ لکھ دیا جاتا ہے تو گویا یہ اس کا قبضہ ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ قبضے کے معنے ہیں تصرّف کی آزادی اور کھاتے میں لکھنے سے ملازم کو اس فنڈ میں تصرّف کا اختیار نہیں مل سکتا۔ کھاتے میں تو محض حسابات دُرست رکھنے کے لیے رقم یا شرط لکھی جاتی ہے تاکہ ادائیگی کے وقت حساب فہمی میں آسانی ہو اور ملازم کا استحقاق یقینی ہوجائے۔

ایک اور سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ حکومت اس فنڈ کو سودی کاروبار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لگاتی ہے، لیکن اس لحاظ سے تمام اشیاء میں بالواسطہ طور پر سود موجود ہے۔ بالواسطہ سود میں تو پوری قوم گرفتار ہے۔ اسی لیے تو ہم اس سودی نظام کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں، مگر ملازم نے براہِ راست سود تو نہیں لیا، البتہ اگر ملازم نے درخواست دے کر اور کوشش کر کے اپنا پراویڈنٹ فنڈ بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقل کمیٹی کو منتقل کروادیا ہو تو یہ منتقل کرانے کا تصرف ایسا ہی ہے جیسے اُس نے خود وصول کر کے کمپنی یا کمیٹی کو دے دیا ہو۔ کمپنی یا کمیٹی چونکہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اضافی رقم سود متصور ہوگی، اس لیے کہ ملازم نے گویا قبضہ لینے کے بعد رقم سود پر کمپنی یا کمیٹی کو دی ہے۔ باقی رہا مسئلہ اختیاری پراویڈنٹ فنڈ کا جو ملازم نے اپنی مرضی سے جبری فنڈ کے علاوہ کٹوایا ہو تو اس پر اضافی رقم لینا عینِ ربٰوٰ تو نہیں ہے، اس لیے کہ کٹوانا حقیقی قبضہ نہیں ہے، بلکہ حکماً قبضہ ہے کہ اگر یہ نہ کٹواتا تو وصول کر سکتا تھا۔ اس قبضۂ حکمی کی وجہ سے اختیاری پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ لینا شبہہ ربٰوٰ اور ذریعۂ ربٰوٰ ہے اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی جبری پراویڈنٹ فنڈ پر دی جانے والی زائد رقم کو جائز قرار دیا ہے [1]

انعامی بانڈ

سوال: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ اکاؤنٹ پر یا کسی اور سکیم پر دی جانے والی رقم ربٰوٰ کی تعریف میں آتی ہے؟

---

[1] کفایت المفتی ص۹۲ جلد ۸، امداد الفتاویٰ ص۱۴۹ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: سیونگ اکاؤنٹ کا نظام جو مروج ہے وہ تو سود پر مشتمل ہے اور دوسری سکیم کی تشریح نہیں کی گئی کہ جواب دیا جا سکے۔ باقی رہے انعامی بانڈز تو قمار اور جوا ہے جسے انعامی بانڈز کا نام دے دیا گیا ہے۔ فقہ کا یہ قاعدہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ عقود میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے صرف الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ:

" ان المُخاطرة من القمار" [1]

(بازی لگانا اور رقم کو داؤ پر لگانا جوا ہے)

انعامی بانڈوں اور معمہ بازیوں کا طریقہ مخاطرے میں شامل ہے، اس لیے جوا ہے اور حرام ہے۔

◆◆◆

[1] (احکام القرآن للجصاص ص۳۸۸ ج ۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNAT.COM

تجارتی قرضے اور غیر تجارتی قرضے

سوال: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہے؟ اس طرح کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟

جواب: نہیں جناب کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہر قسم کے قرضوں پر سود دینا اور لینا حرام ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

اس سوال کی کوئی قانونی اہمیت نہیں ہے کہ کیا عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارت کے لیے لیے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں اور کیا تجارت کے لیے لوگ قرض لیتے تھے یا نہیں؟ اصل اہمیت قانون کے متن کو حاصل ہوتی ہے۔ دُنیا کی کسی بھی عدالت کے سامنے جب ایسا تحریری قانون پیش کیا جائے جس کے متن کے الفاظ عام ہوں اور ان عام الفاظ کے بعد کوئی فقرہ شرطیہ، فقرہ استثنائیہ یا کوئی تشریحی فقرہ موجود نہ ہو اور مجموعۂ قوانین میں کوئی دوسری دفعہ بھی اس عام قانون میں تخصیص و استثنا کرنے والی موجود نہ ہو تو عدالت اسے عام ہی قرار دے گی اور جس پر بھی یہ قانون صادق آتا ہو اس پر منطبق کرے گی۔ اگر عدالت یا عدالت کے سامنے بحث کرنے والا کوئی وکیل بغیر کسی قانونی دلیل کے محض اپنی صوابدیدی رائے یا خواہش کی بنا پر اس عام اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضع قانون میں تخصیص کرے گا، تو یہ قانون کی تعبیر نہیں ہوگی، بلکہ یہ نئی قانون سازی ہو گی۔ یا بالفاظ دیگر قانون میں تحریف و ترمیم ہوگی۔ میرے خیال میں یہ فلسفۂ قانون کا ایسا نکتہ ہے جسے عقل عام تسلیم کرتی ہے۔ اب آئیے اس مسلمہ قاعدے کی روشنی میں زیرِ بحث مسئلے پر غور و فکر کریں:

عام کی تعریف :

عموم کے معنے ہیں شمول اور لفظ عام کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"ھو اللفظ الذی یستغرق جمیع ما یصلح لہ من الافراد" [۱]

(عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں)

یعنی جن پر عام کا مفہوم منطبق ہو سکتا ہو۔ عربی زبان میں لفظ عام کی تقریباً سات قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنے میں عموم و شمول موجود ہوں مثلاً کل، جمیع، عامۃ، کافۃ اور قاطبۃ" وغیرہ اور دوسری قسم وہ لفظِ مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو [۲]

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمتِ ربا کی نصوص (متنِ قانون) پر غور کرنا چاہیے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے:

" اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"

(اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے) [۳]

---

[۱] اصولِ سرخسی صہ ۱۲۵ جلد ۱ [۲] اصولِ سرخسی صہ ۱۵۱ جلد ۱
[۳] سورہ البقرہ آیت ۲۷۵

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا " [1]

(اور چھوڑ دو جو بھی باقی ہو ربا میں سے)

" فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ " [2]

" پس ملیں گے تم کو تمہارے اصل مال)

پہلی دو آیتوں میں لفظ الربا مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہے اور اس کے معنے ہیں کہ ربا کا شرعی مفہوم (جس کا تعین سوال نمبر ا کے جواب میں کر دیا گیا ہے) جن قسموں پر صادق آتا ہو وہ سب حرام ہیں۔ اور تیسری آیت میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تمہارا حق صرف راس المال ہے، یعنی اصل رقم جو دی گئی تھی۔ ان آیات کے متن پر غور کرنے سے بغیر کسی بیرونی تشریح کے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کے قرض پر سود لینا حرام ہے، خواہ تجارتی قرض ہو یا صرفی قرض ہو۔

اسی طرح کُلّ قرضٍ جرَّ نفعاً فھو ربا کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اس میں بھی لفظ کُل کے معنے ہیں ہر قرض اور نفع کا لفظ بھی مطلق ہے خواہ سود مفرد ہو یا سود مرکب ہو۔

ان واضح اور صریح نصوص عامّہ کے ہوتے ہوئے کسی کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے اور یہ لایعنی بحث چھیڑنا کہ عربوں میں تجارتی قرضوں کا رواج تھا یا نہیں اور ان پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں کہاں تک قابلِ توجہ ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ فاضل عدالت بڑی آسانی سے کر سکتی ہے۔

سوال نمبر ا کے جواب میں ربا کی تعریف کے سلسلے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ لوگ قرض پر سود لیتے تھے۔ یہ کسی ایک روایت میں

---

[1] سورہ البقرہ آیت ۲۷۸ [2] سورہ البقرہ آیت ۲۷۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نہیں آیا کہ یہ تجارتی قرضے نہیں تھے، بلکہ ذاتی ضرورت کے قرضے تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ تجارتی قرضے سرے سے مروج ہی نہیں تھے ثبوت پیش کرنا ان کے ذمے ہے۔ صرف نہیں کہہ دینا تو ثبوت نہیں ہے۔ ہم نے تو عمومی آیات و احادیث پیش کر دی ہیں جن میں مطلق قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی ان میں تخصیص و استثنا کا دعویٰ کرتا ہے تو کوئی آیت یا کوئی صحیح الاسناد حدیث پیش کرے جس میں تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کیا گیا ہو۔ اگرچہ تجارتی اور غیر تجارتی دونوں قسم کے قرضوں پر سود کی حرمت کے قائلین پر قانوناً اور اصولی بحث کے مطابق یہ ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں ہے کہ عربوں میں نزولِ قرآن کے وقت تجارتی قرضے بھی مروج تھے اور ان پر سود لینا بھی مروج تھا، لیکن پھر بھی چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے تجارتی اور کاروباری قرضوں کا ثبوت ملتا ہے اور جن پر سود بھی لیا جاتا تھا۔ مثلاً:

(۱) قال الضحاك كان ربا يتبايعون به في الجاهلية فلما اسلموا أمروا ان يأخذوا رؤس اموالهم۔[1]

ضحاک بن مزاحمؒ تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سودی خرید و فروخت یعنی کاروبار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کو حکم دیا گیا کہ صرف اصل رقم ہی وصول کرو۔

(۲) ابن جریرؒ نے وذروا ما بقی من الربا کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"عن السدي قال نزلت هذه الآية في العباس بن عبد المطلب

---

[1] تفسیر ابن جریر ص۱۰۸ ج ۳، تفسیر در منثور ص۱۰۸ جلد ۲ وفیہ یتعاملون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ورجل من بنی المغیرۃ کانا شریکین فی الجاھلیۃ سلفا فی الربا الیٰ اُناسٍ من ثقیف من بنی عمرو بن عمیر فجاء الاسلام ولھم اموال عظیمۃ فی الربا فانزل اللہ وذروا ما بقی من الربا" [1]

(سُدّی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباسؓ اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانۂ جاہلیت میں کاروبار میں شریک تھے۔ انہوں نے بنو ثقیف قبیلے کی ایک شاخ بنو عمرو کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا (اور سود حرام کر دیا گیا) تو ان کا بہت سا مال سود میں لگا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ چھوڑ دو جو بھی بقایا ہے سود میں سے)

اس روایت میں دو تاجروں کے اُس سودی قرضے کا ذکر ہے جو انہوں نے بنو عمرو قبیلے کو دے رکھا تھا اور یہ بہت زیادہ مال تھا جو بنو عمرو کے ذمّے بقایا تھا۔

(۳) ابنِ جریرؒ نے ابنِ جریجؒ سے نقل کیا ہے کہ بنو عمرو بھی بنو مغیرہ کو سودی قرضے دیا کرتے تھے؛

"وکانت بنو عمرو بن عمیر بن عوف یأخذون الربا من بنی المغیرۃ و کانت بنو المغیرۃ یُربُون لھم فی الجاھلیّۃ فجاء الاسلام ولھم علیھم مال کثیرٌ فاتاھم بنو عمرو یطلبون رباھم فابیٰ بنو المغیرۃ ان یُعطوھم فی الاسلام ورفعوا ذالک الی عتابؓ بن اسید فکتب عتاب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا الی قولہ ولا تُظلَمُوْن فکتب

---

[1] تفسیر ابن جریرؒ طبع مصر ۱۹۵۴ء صـ۱۰۷ جلد ۳

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عتابؓ وقال ان رضوا والا فاذنھم بحرب" [1]

(دورِ جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سا مال واجب الادا تھا، چنانچہ بنو عمرو بنو مغیرہ کے پاس آئے اور اُن سے سود کا بقایا طلب کیا۔ بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کردیا (دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے تھے) بنو عمرو مکّہ مکرمہ کے امیر عتابؓ بن اسید کے پاس اپنا دعویٰ لے کر گئے۔ حضرت عتابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو اللہ کا خوف کرو اور جو بھی بقایا ہے سود کا اُسے چھوڑ دو، الآیہ کہ اصل رقم تمہارا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر عتاب کو بھجوادی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر یہ لوگ سود چھوڑنے پر راضی ہوں تو بہت اچھا ورنہ ان لوگوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو)

شانِ نزول سے متعلق ابن جریرؒ کی درج بالا دونوں روایتوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو عمرو کو بنو مغیرہ سودی قرض دیتے تھے اور دونوں کا مال کثیر ایک دوسرے کے ذمے تھا۔ اگر یہ تجارتی قرضے نہیں تھے تو کیا مالِ کثیر کا مالک گھریلو اخراجات کے لیے اتنی بڑی رقوم قرض لیا کرتا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کو تجارتی قرضے دیا کرتے تھے اور ان پر سود دیا اور لیا کرتے تھے اور اسی کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ چھوڑ دو جو بھی باقی ہو سود۔ جب آیت کا نزول ہی تجارتی قرضے ہیں تو ان کو اس آیت کے حکم سے خارج کیسے کیا جاسکتا ہے؟

---

[1] تفسیر ابنِ جریر ص ۱۰۷ جلد ۴

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابنِ جریرؒ نے عکرمہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بنو عمرو کے جو افراد بنو مغیرہ کو سودی قرض دیتے تھے اور ان سے سودی قرض لیتے تھے ان میں مسعود ثقفیؓ، عبد یالیلؓ، حبیبؓ اور ربیعہؓ بھی شامل تھے۔[۱]

یہ نام بنو ثقیف کے سرداروں کے ہیں جو نادار اور محتاج کے لوگ نہیں تھے، بلکہ مالدار لوگ تھے۔ ان کی مالداری کا ثبوت تو درج بالا روایت میں مالِ کثیر کے لفظ سے بھی ملتا ہے، لیکن عکرمہؒ نے چند نام بھی بتا دیے ہیں جو طائف کے سرداروں کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مودودیؒ نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۴۵ء کے ایک مضمون (بنکس) کے حوالے سے اور ایک دوسری مستند کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب کے آس پاس کے ملکوں، یعنی عراق، مصر، شام، یونان اور روم میں تجارتی، صنعتی اور ریاستی اغراض کے لیے دیے گئے قرضوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے،[۲] تو یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ عرب تجارتی قرضوں پر سود سے باخبر ہی نہیں تھے۔

بچت پر ابھارنے اور کفایت شعاری کے محرکات

سوال: اگر سود کو قطعی طور پر حرام کر دیا جائے تو اسلامی نظامِ معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات استعمال کیے جائیں گے؟

جواب: تجارتی نفع کے ذریعے لوگوں کو بچت پر ابھارا جائے گا۔ اگر حرام نفع محرک بن سکتا ہے تو حلال نفع کیوں محرک نہیں بنے گا! باقی رہا خسارے کا خطرہ جو سود

---

[۱] ابنِ جریر ص ۱۰۱ جلد ۳ [۲] سود، ص ۲۸۳ تا ۲۹۰ طبع ۱۹۹۰ء

10461

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نہیں ہوتا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ تجارت میں خسارے کا خطرہ نادر اور قلیل الوقوع ہوتا ہے اور نفع کی اُمید زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مارکیٹیں بند ہوجاتیں۔ اس لیے خسارے کے نادر الوقوع خطرے کی وجہ سے لوگ اپنی بچتیں کاروبار میں لگانے سے اتنے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو تجارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کے پاس اتنا زیادہ سرمایہ نہیں ہے کہ وہ اس سے کاروبار شروع کر سکیں۔ اگر ان کے سامنے بنکاری کا ایسا طریقہ موجود ہو جس پر وہ اپنی تھوڑی سی بچت کو بھی تجارت میں لگا سکیں، یعنی مضاربہ یا مشارکہ کا طریقہ تو وہ ضرور بچت کر کے اس کاروبار میں حصہ لیں گے اور خسارے کا امکان ان کو خوفزدہ نہیں کرے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفع نقصان میں شراکت کا نظام معاشی توازن قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی توازن کو قائم کرنے کے لیے تو ہم سود ختم کرانا چاہتے ہیں۔

ٹیکس لگانے کا مسئلہ :

سوال : کیا اسلامی حکومت اپنی رعایا پر زکوٰۃ و عُشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس لگا سکتی ہے؟

جواب : اس موضوع پر میں نے ایک تحریر فاضل عدالت کی خدمت میں پہلے ہی بھیج دی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

WWW.KITABOSUNNAT.COM

بین الاقوامی سودی معاہدے

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۱۸ کا عنوان ہے "بین الاقوامی مالی ذمہ داریاں" اور اس کے متن کا اردو ترجمہ یہ ہے :

"اس ایکٹ میں شامل ہر جزو یا عدالت کے فیصلے کے باوجود جب تک کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ نہیں کر دیا جاتا موجودہ مالی ذمہ داریاں اور قومی اداروں اور غیر ملکی اداروں کے درمیان کیے جانے والے معاہدے برقرار، قانونی، واجب العمل اور جاری رہیں گے۔"

تشریح :

"اس شق میں قومی ادارے کی تشریح کے طور پر ایسے تمام وفاقی اور صوبائی ادارے، قانونی کارپوریشن کمپنیاں، ادارے، باڈی انٹرپرائز یا پاکستان کا کوئی شخص اور غیر ملکی ایجنسی کی اصطلاح میں بیرونی حکومت، غیر ملکی مالیاتی ادارہ، غیر ملکی کیپٹل مارکیٹ جس میں بنک یا کوئی غیر ملکی قرضہ جاری کرنے والی کمپنی بشمول فرد واحد اور مال مہیا کرنے یا خدمات ادا کرنے والا شخص۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ ہو جانے تک سودی معاہدے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اور ان کے مطابق سودی لین دین بھی جاری رہے گا اور اب تک کیے گئے معاہدوں کے مطابق عاید شدہ سود بھی ادا کر دیا جائے گا۔ سود کے اس بین الاقوامی لین دین پر نفاذِ شریعت ایکٹ کے کسی جز یا کسی بھی عدالت کے فیصلے کا کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا، یعنی یہ قرآن و سنت کی بالادستی سے آزاد اور مستثنیٰ ہوگا۔ میری رائے میں یہ دفعہ بھی قرآن و سنت کے قطعی اور واضح احکام کے خلاف ہے جس طرح کہ اس ایکٹ کی دفعہ ۳ (۲) دفعہ ۱۹، دفعہ ۲۰، دفعہ ۲۱ قرآن و سنت کے احکام کے خلاف ہیں۔ ان میں سے دفعہ ۳ (۲) اور دفعہ ۱۹ کو یہ موقر عدالت ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو خلافِ اسلام قرار دے چکی ہے۔

بین الاقوامی ربا کے بارے میں تنقیح طلب امور :

(الف) کیا ربا صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام ہے یا اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی سودی معاملات حرام ہیں؟

(ب) کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے اور کیا اسلام نے ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے یا انہیں توڑ دینے کا حکم دیا ہے؟

(ج) کیا اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک سودی معاہدوں کی وجہ سے عاید شدہ سود ادا کرنا شرعاً جائز ہے؟

(د) اگر سود مطلقاً حرام ہے اور سودی معاہدے بھی مطلقاً حرام ہیں تو کیا ان کو قرآن و سنت کی بالادستی سے مستثنیٰ کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے جبکہ متبادل اقتصادی نظام چودہ سو سال پہلے حاکمِ حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ نے نافذ کر دیا ہے اور قیامت تک نافذ رہے گا؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنی گفتگو اور نکاتِ استدلال کو ان چار بنیادی سوالات کے حل کرنے تک محدود رکھوں گا۔

(الف) قرآن و سنت کی نصوصِ قطعیہ ربا کو مطلقاً حرام قرار دیتی ہیں۔ ان نصوص میں ملکی اور غیر ملکی، مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست، شخصی و انفرادی اور اجتماعی و اداراتی کا کوئی استثنا موجود نہیں ہے۔ ۱۴ر نومبر ۱۹۹۱ء کو اس موقر عدالت شرعیہ نے جو تاریخی فیصلہ دیا ہے اس میں ربا کی قطعی اور عمومی حرمت کے دلائل موجود ہیں۔ یہ فیصلہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا، اگرچہ وہ مادہ پرستوں اور سیکولرسٹوں کو ناگوار گزرے گا۔ دنیا کی حکومت اس فیصلے پر عمل کرتی ہے یا اس کو پسِ پشت ڈالتی ہے، یہ اس کے ایمان و اسلام کا ایک امتحان ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ حاکمِ حقیقی کی عدالت میں اس تاریخی اور انقلابی فیصلہ کرنے والے قاضیوں کو وہی اجر ملے گا جس کا وعدہ متقسطین کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے: "ومن اوفیٰ بعهده من الله"؟ اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

اس فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۲ کے جواب میں میں نے اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان سودی لین دین کی حرمت پر تفصیلی بحث کی تھی، مگر اس میں احادیث کا حوالہ مسئلہ کے معروف و مسلّمہ ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا۔ اس عرضداشت میں آیات کا حوالہ اجمالاً اور احادیث کا حوالہ تفصیلاً پیش کیا جا رہا ہے۔ آیات کا تفصیلی حوالہ اس لیے نہیں دیا جا رہا کہ ۱۴ر نومبر ۱۹۹۱ء کے فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۲ کے جواب میں یہ تفصیل پہلے سے موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرمت ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں :

قرآن کریم میں ربا کی مذمت اور حرمت کے بارے میں کل ۱۰ آیات آئی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

سورۃ الروم - آیت نمبر ۳۹

سورۃ النساء - آیت نمبر ۱۶۱

سورۃ آل عمران - آیت نمبر ۱۳۰

سورۃ البقرہ - آیات نمبر ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱

ان آیات میں بقول ابن عباسؓ آخری آیات جن میں کلی، عمومی اور حتمی طور پر ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیات ہیں۔ ان میں اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کا قطعی فیصلہ دے دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہے، ہر مسلمان کے لیے حلال ہے اور ہر جگہ حلال ہے اور ہر قسم کا ربا حرام ہے۔ عوام کے لیے بھی حرام ہے اور حکمرانوں کے لیے بھی حرام ہے۔ اپنے ملک میں بھی حرام ہے اور دوسرے ملکوں میں بھی مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ ذاتی کاروبار میں بھی حرام ہے اور قومی و حکومتی کاروبار میں بھی حرام ہے۔ تخصیص و تقیید اور استثنا کا کوئی ادنیٰ اشارہ تک اس حکم قرآنی میں موجود نہیں ہے۔

ان آیات میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حرمتِ ربا کا حکم آنے کے بعد بھی جو لوگ سودی معاہدے اور سودی لین دین جاری رکھتے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے۔ "وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ - وَمَنْ عَادَ کا لفظ عام ہے۔ افراد و اشخاص سودی لین دین کرتے ہوں یا مسلمانوں کی حکومتیں اور ادارے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوں۔ مسلمانوں کے ساتھ سودی کاروبار کرتے ہوں یا غیر مسلموں کے ساتھ۔ مسلم ریاستوں کے ساتھ ایسے معاہدے کرتے ہوں یا غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ۔ سب کے لیے حکم یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے ہوں ان سب کو بلا امتیاز حکم دیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو سود کا بقایا چھوڑ دو:
"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" اسی طرح قرآن کریم نے سود کو ظلم کہا ہے، "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" اور ظلم ہر جگہ ظلم ہوتا ہے اور جو بھی ظلم کرے یا ظلم سے تعاون کرے وہ ظالم ہوتا ہے خواہ فرد ہو یا حکومت۔ اسلامی ریاست کا فرض منصبی سود کو مٹانا اور غیر سودی معیشت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جب یہ خود سودی معاہدے کرتی ہو تو دنیا کے سامنے اسلام کے معاشی نظام کی شہادت کس طرح پیش کر سکے گی؟ دنیا تو اسے یہی کہے گی کہ "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" (وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔)

حرمتِ ربا کے بارے میں احادیثِ نبویہ:

ربا کی حرمت، مذمت اور .... وعیدِ شدید کی ..... احادیث بہت زیادہ ہیں، مگر ان میں سے چند منتخب احادیث پیش کی جا رہی ہیں جو سند کے اعتبار سے صحیح اور مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں جن کے عموم سے بین الاقوامی ربا کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

"عن ابی ھریرۃؓ عن النبیؐ قال اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ وما ھن؟ قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات" [1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً۔ صحیح بخاری کتاب الطب باب الشرک والسحر من الموبقات صحیح بخاری کتاب المحاربین باب رمی .... المحصنات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سات تباہ کن گناہوں سے دُور رہو۔ صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسُولؐ، یہ تباہ کن گناہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، اس دن پیٹھ پھیرنا جب دشمن کے لشکر کا سامنا ہو اور ان پاک دامن مُسلمان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا جو بدکاری سے بے خبر ہوں۔)

(۲) "عن سمرۃ بن جندبؓ فی حدیث رویا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الطویل حتی اتینا علیٰ نھرٍ من دمٍ (وفی روایۃ کتاب التعبیر احمر مثل الدم) فیہ رجل قائمٌ (وفی روایۃ کتاب التعبیر رجلٌ سابحٌ یسبح) وعلی وسط النّھر قال یزید و وھب بن جریر عن جریر بن حازم وعلیٰ شطِ النّھر رجلٌ بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النّھر فاذا اراد ان یخرج رمیٰ الرجل بحجرٍ فی فیہ فردّہ حیث کان فجعل کلما جاء یخرج رمیٰ فی فیہ بحجرٍ فیرجع کما کان فقلتُ ما ھذا؟ قالا انطلق ..... والذی رئیتہ فی النّھر آکلوا الرّبا"۔ [۱]

(سمرہ بن جندبؓ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب سے متعلق طویل حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین رقم الحدیث ۱۳۲۰
صحیح بخاری کتاب البیوع باب آکل الربا رقم الحدیث
صحیح بخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح رقم الحدیث ۶۶۴۰

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرتے ہوئے فرمایا" یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر (دریا) پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھا (دوسری روایت میں آیا ہے کہ تیر رہا تھا) اور نہر کے کنارے پر ایک دوسرا شخص تھا جس کے سامنے پتھر پڑے تھے۔ جو شخص خون کی نہر میں تھا۔ وہ نکلنے کے لیے سامنے سے آتا اور جب نکلنے کا ارادہ کرتا تو کنارے پر موجود شخص ایک پتھر اٹھا کر اس کے منہ میں پھینک دیتا اور اسے واپس اس جگہ پہنچا دیتا جہاں پر وہ پہلے موجود تھا۔ اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کے لیے سامنے سے آتا تو کنارے پر موجود یہ شخص ایک پتھر اس کے منہ کے اندر پھینک دیتا اور وہ واپس لوٹ جاتا جیسا کہ پہلے تھا۔ میں نے اپنے ساتھی فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا چلتے رہو (یعنی بعد میں بتائیں گے فی الحال چلتے رہو اور دیکھتے رہو) آخر میں فرشتوں نے کہا کہ جس شخص کو تم نے خون کے دریا میں دیکھا تھا وہ سود خوروں میں سے تھا۔"

(۳) "عن ابی جحیفۃؓ قال نھی النبیؐ عن ثمن الکلب وثمن الدم ونھی عن الواشمۃ والمستوشمۃ وآکل الربا وموکلہ ولعن المصور"۔[۱]

(ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے اور خون کی قیمت لینے سے منع کر دیا ہے۔ اور خال لگانے اور لگوانے سے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب البیوع، باب موکل الربا رقم الحدیث ۱۹۸۰
" " " " باب ثمن الکلب " " ۲۱۲۳
" " کتاب الطلاق باب مہر البغی " " ۵۰۳۲
" " کتاب اللباس باب الواشمۃ " " ۵۶۰۱
" " " " باب من لعن المصور " " ۵۶۱۷

اور سود کھانے اور کھلانے سے بھی منع فرمایا ہے اور مصور پر لعنت بھیجی ہے)

(۴) "عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول اللہ آکل الربا وموکلہ" [1]

(ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے)

(۵) "عن جابر بن عبد اللہؓ عن النبیؐ لعن رسول اللہ آکل الربا وموکلہ و کاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء" [2]

(جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر۔ اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔)

(۶) "عن علی بن ابی طالبؓ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ للحسن ومانع الصدقۃ والمحلل والمحلل لہ و کان ینھی عن النوح" [3]

(حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، خال لگانے والی پر اور لگوانے والی پر (مصنوعی) حسن کے لیے، زکوٰۃ نہ دینے والے پر، حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو اس پر بھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتم کے موقع پر رونے پیٹنے اور منہ نوچنے سے بھی منع کیا ہے)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب لعن آکل الربا وموکلہ، رقم الحدیث ۱۵۹۷

[2] صحیح مسلم فی المساقات باب لعن آکل الربا وموکلہ، رقم الحدیث ۱۵۹۸

[3] الفتح الربانی لترتیب مسند احمد الشیبانی ص۶۸، جلد ۱۵

(۷) عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربأ یأکلہ الرجل وھو یعلم اشدُّ من ستۃ وثلاثین زنیۃ" [۱]

(حضرت عبداللہؓ جو غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ کے بیٹے ہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سود کا ایک روپیہ جسے کوئی شخص حرمت کا علم رکھنے کے باوجود کھاتا ہے تو اس کا گناہ ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ ہے۔)

اس حدیث کے بارے میں حافظ نورالدین الہیثمیؒ (متوفی ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:

"رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجال احمد رجال الصحیح" [۲]

(اسے احمد بن حنبلؒ نے اور طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں نقل کیا ہے اور مسند احمد کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں)

مسند احمد کے مرتب اور شارح شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا لکھتے ہیں:

(قُلتُ وصححہ ایضاً الحافظ السیوطی ووثق رجالہ الحافظ العراقیؒ وذبّ عنہ الحافظ ابنِ حجر العسقلانی فی کتابہ "القول المُسَدَّد فی الذب عن المسند") [۳]

(حافظ سیوطیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ عراقی نے بھی اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور حافظ ابنِ حجرؒ نے اس حدیث کا دفاع اپنی کتاب "القول المسدّد" میں کیا ہے)

---

[۱] الفتح الربانی ص۶۹ جلد ۱۵، والمعجم الاوسط للطبرانی متوفی ۳۶۰ھ طبع المعارف ریاض ۱۹۸۷ء ص۲۳۰، جلد ۱۵۔ [۲] مجمع الزوائد باب الربا طبع بیروت ۱۹۶۷ء جلد ۴ ص۱۱۷

[۳] بلوغ الامانی فی ذیل الفتح الربانی ص۶۹ جلد ۱۵

(۸) "عن ابنِ مسعودؓ عن النبیؐ قال الرّبا ثلاثۃ وسبعون باباً الیسرھا مثل ان ینکح الرجل اُمّہ وان اربی الربا عِرض الرجل المسلم"۔ [۱]

(ابنِ مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ربا کے عذاب کی ۷۳ قسمیں ہیں (یعنی بہت سی قسمیں ہیں) ان میں سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ اور سب سے بڑا سُود یہ ہے (یعنی بڑا گناہ) کہ کسی مسلمان کی عزت لوٹی جائے)

(۹) "وعن ابن مسعودؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الرّبا سبعون باباً والشرکُ مثل ذالک"۔ [۲]

(ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ سود کے وبال وعذاب کی ۷۰ قسمیں ہیں اور شرک کا وبال وعذاب بھی اسی طرح ہے)

(۱۰) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُتیتُ لیلۃً اُسری بی علیٰ قومٍ بطونھم کالبیوت فیھا الحیاتُ تریٰ من خارج بطونھم فقلت من ھٰؤلاء؟ قال ھٰؤلاء آکلۃ الربا"۔ [۳]

---

[۱] المستدرک للحاکم ص۳۷ جلد۲ وقال صحیح علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی فی تلخیص المستدرک والمصنف لعبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ ص۳۱۴ جلد۸۔ واخرجہ ابن ماجہ فی ابواب التجارت ولکن سندہ ضعیف [۲] مصنّف عبد الرزاق ص۳۱۵ جلد۸۔ ومسند البزار المتوفیٰ ۲۹۲ھ بحوالہ کشف الاسرار ص۶۴ جلد۱۔ ابواب الشرک رقم الحدیث ۹۱۔ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ص۱۱۷ جلد۴ رجالہ رجال الصحیح ورواہ ابنِ ماجہ متوفیٰ ۲۷۳ھ فی ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا رقم الحدیث ۲۲۹۵ [۳] الفتح الربانی باب الاسراء ص۲۵۶ جلد۲۰ وسُنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا رقم الحدیث ۲۲۹۳

(ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مجھے معراج کی رات ایسی قوم پر لے جایا گیا جن کے پیٹ گھروں کی طرح تھے (بڑے تھے) ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے کہا یہ لوگ سود خور ہیں)

(۱۱) "عن ابن مسعودؓ عن النبیؐ قال ماظھر فی قوم الزّنا والربا الا احلوا بانفسھم عذاب اللہ" [۱]

(ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کسی قوم میں نہیں پھیلتا زنا اور ربا، مگر جب بھی پھیلتا ہے تو وہ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروالیتی ہے[۲])

(۱۲) عن ابن عباس قال النبیؐ اذا ظھر الزّنا والرّبا فی قریۃٍ فقد احلوا بانفسھم عذاب اللہ"

(ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے جب کسی بستی میں زنا اور ربا پھیل جاتے (غالب ہوجاتے) تو اس بستی کے لوگ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروالیتے ہیں)

(۱۳) عن عمرو بن عاصؓ قال سمعتُ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول مامن قومٍ یَظْھَرُ فیہ الربا الا اخذوا بالسنۃِ ومامن قومٍ یَظْھَرُ فیھم

---

[۱] مسند ابی یعلی الموصلیؒ المتوفی ۳۰۷ھ طبع بیروت ۱۹۸۴ء ص۳۹۶ جلد ۸ رقم الحدیث ۴۹۸۱۔ مسند عبداللہؓ بن مسعود وفی سندہ جاد شریکٌ وھو متکلّمٌ فیہ ولکن لہ شواھد ولذا قال الہیثمی فی مجمع الزوائد ص۱۱۸ جلد۴۔ اسنادہٗ جیّدٌ۔

[۲] المستدرک للحاکم ص۳۷ جلد۲ ووافقہ الذھبی فی تلخیص المستدرک

الرِّشا الا اُخِذوا بالرُّعبِ" ۱؎

(عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس قوم میں سود عام ہوجائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے قحط سالی کے ذریعے اور جس قوم میں رشوت عام ہوجائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے رُعب اور خوف کے ذریعے) (دُشمن کے نام سے بھی ڈرتی ہے)۔

(۱۴) "عن ابی حمزۃؓ قال قلتُ لابن عباسؓ ان رجلاً جلّاباً یجلب الغنم وانه یشارِك الیھودیَّ والنصرانیَّ قال لایُشارِك یھودیاً ولا نصرانیاً ولا مجوسیاً قال قلتُ لِمَا؟ قال لانّھم یُربُوْن والرِّبا لایحِلُّ" ۲؎

(ابوحمزہؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے ابن عباسؓ سے پُوچھا ایک شخص بھیڑ بکریاں باہر سے لاکر فروخت کرتا ہے، مگر وہ اس کاروبار میں یہودی اور نصرانی کو بھی شریک بناتا ہے؟ اس پر ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شراکت کا کاروبار نہ کرے۔ مَیں نے پُوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ یہ لوگ سودی لین دین کرتے ہیں اور سود حلال نہیں ہے)

ابنِ عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ غیر مُسلم جو سُودی کاروبار کرتے ہیں اُن کے ساتھ کاروباری اور تجارتی تعلق جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ سودی لین دین کو چھوڑ نہ دیں۔ ورنہ اصولاً تو غیر مُسلموں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ احادیث میں غیر مسلموں کے ساتھ بیع وشراء کا ثبوت موجود ہے۔

۱؎ الفتح الربانی لترتیب مسند احمد الشیبانی ص۷ جلد ۱۵

۲؎ المصنّف ابنِ ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ طبع کراچی ۱۹۸۶ء ص۸ جلد ۶

۳؎ السُّنن الکبریٰ للبیھقی ص۳۳۵ جلد ۵

(۱۵) "عن سعید بن ابی بُردۃؓ عن ابیہ اتیت المدینۃ فلقیت عبداللہ بن سلامؓ فقال الا تجیئی فاطعمک سویقاً وتمراً وتدخل فی بیتٍ ثم قال انک بارض الربا بھا فاشٍ اذا کان لک علی رجلٍ حقٌ فاھدیٰ الیک حمل تبنٍ او حمل شعیرٍ او حمل قتٍ فلا تاخذہ فانہ رباً" [1]

(سعیدؓ اپنے باپ ابوبُردۃ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ مَیں مدینہ منورہ میں آیا تو عبداللہؓ بن سلام سے میری ملاقات ہوئی ..... اُنھوں نے فرمایا کیا تم میرے گھر نہیں آتے کہ مَیں تمہیں ستّو اور کھجور کھلاؤں اور تم ایک مبارک گھر میں داخل ہونے کا شرف بھی حاصل کر لو گے (عبداللہؓ بن سلام کے گھر میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قیام بھی فرمایا تھا اور نماز بھی پڑھی تھی) پھر کہنے لگے تم ایسے علاقے میں رہتے ہو جس میں سود عام ہے - جب تمہارا کسی شخص پر کوئی حق (قرضہ) ہو اور وہ تمہیں گھاس کا یا جَو کا یا چارے کا گٹھا تحفے کے طور پہ دینا چاہے تو اُسے قبول نہ کرو، کیونکہ یہ بھی سُود ہے)

ابو بردہؓ اشعری ابوموسیٰ اشعریؓ کے بھائی تھے - اصل میں یمن کے اَشعر قبیلے سے تعلّق رکھتے تھے - ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پہ یہ پچاس پچپن افراد کے ایک وفد میں مدینہ آئے تھے، مگر بعد میں انہوں نے کوفہ (عراق) میں سکونت اختیار کر لی تھی - عراق و ایران میں غیر مُسلم بھی ابھی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے - اگرچہ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی سود لینے دینے کی اجازت نہیں ہوتی - مگر پھر بھی اس بُری عادت کے لوگ چوری چھپے یا حیلوں کے ذریعے یہ دھندا کرتے رہتے تھے - اس صورتِ حال کی وجہ سے حضرت عبداللہؓ بن سلام نے ابوبُردہؓ کو نصیحت

---

[1] صحیح بخاری ابواب المناقب باب مناقب عبداللہؓ بن سلام رقم الحدیث ۳۶۰۳

کی کہ تم جس سرزمین کے باشندے ہو وہاں پر سود عام ہے۔ اس لیے اگر تمہارا مقروض تمہیں کوئی تحفہ بھی دے تو اسے قبول نہ کرو کیونکہ یہ بھی ربا ہے۔ ربا کا لفظ انہوں نے زجراً و مبالغۃً کہہ دیا تھا ورنہ یہ ربا نہیں ہے، بلکہ شبہ ربا ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی وہ کاروبار جائز نہیں ہے جس میں سود کی مشابہت پائی جاتی ہو تو پھر حقیقی سود اُن کے ساتھ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(١٦) "عن ابی قیسؓ مولی عمرو بن العاصؓ قال کتب ابوبکر الصدیقؓ الی امراء الاجنادِ قدموا الشامَ اما بعدُ فانکم قد ھبطتم ارض الرِّبا فلا تتبایعون الذھب بالذھب اِلّا وزناً بوزنٍ ولا الورق بالورق اِلّا وزناً بوزنٍ ولا الطعامَ بالطعام اِلّا کیلاً بکیلٍ قال ابوقیسٍ قرأتُ کتابہ" [1]

(ابوقیسؓ جو عمرو بن عاصؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام ایک خط لکھا تھا جب وہ امراء شام گئے ہوئے تھے۔ "تم سود کی سرزمین پر اُترے ہو، لہٰذا سونا سونے کے بدلے میں نہ بیچو، مگر برابر برابر تول کر بیچو! چاندی چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر تول کر اور غلّہ (گندم) غلّے کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر تول کر۔" اور ابوقیسؓ کہتے ہیں میں نے یہ خط خود بھی پڑھا تھا)

جس طرح کہ عراق میں غیر مُسلم بھی موجود تھے اور اس سرزمین پر سود عام تھا تو عبداللہؓ بن سلام نے ابو بردہؓ کو نصیحت کی تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح شام کی سرزمین پر عیسائی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے تو خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام خط میں سُود سے بچنے کے لیے خصوصی ہدایات ارسال

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الصرف باب الربا طبع بیروت ۱۹۸۷ء صـ۷۰ جلد ۴

کی تھیں تاکہ سود کی اس سرزمین پر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کہیں غیر شرعی کاروبار شروع نہ کر دیں۔ اس مکتوبِ صدیقی سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو کسی بھی علاقے میں غیر مسلموں کے ساتھ سودی معاہدے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۷) "عن انس قال اتانا کتاب عمرؓ ونحن بارضِ فارس ان لا تبیعُوا السیوف فیھا حلقة فضّةٍ بالدراھم" ؎۱

(انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم فارس کی سرزمین پر تھے (جہاد کے لیے) کہ ہمارے پاس امیر المومنین حضرت عمرؓ کا خط آیا کہ ایسی تلواروں کو روپوں کے بدلے فروخت نہ کرو جن میں چاندی کے حلقے ہوں)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک چاندی تلوار سے الگ کر کے اس کا وزن معلوم نہ کیا جائے اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ روپوں کے بدلے میں جو تلوار خریدی گئی ہے اس کی چاندی کی مقدار روپوں سے زیادہ یا کم ہے۔ اس میں چونکہ سود کا شبہ پایا جاتا ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے فارس میں مصروفِ جہاد مُسلمانوں کے نام درج بالا خط لکھا تھا۔

اس مکتوبِ فاروقی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ فارس کی سرزمین پر بھی غیر مُسلم آباد تھے جو سود کے عادی تھے اور کسریٰ کی سرزمین میں تلواروں کی مٹھیاں اکثر چاندی کی ہوتی تھیں جو مجاہدین کو مالِ غنیمت میں کافی تعداد میں ملی ہوں گی، اس لیے مذکورہ ہدایت نامہ ارسال کیا گیا کہ کہیں مسلمان فارس کے مجوسیوں کے ساتھ سودی معاملات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(۱۸) عن عمارة الھمدانیؒ قال سمعتُ علی بن ابی طالبؓ یقول قال رسُولُ اللہ

؎۱ المصنّف لابنِ ابی شیبہ صد ۵۴ جلد ۶

ہے جس کی بنیاد پر غیر ملکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ سودی معاہدے کرنا اور سودی لین دین کو سود کی قطعی اور عمومی حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور کہا جائے کہ متبادل کے آنے تک یہ سب کچھ حسبِ سابق جاری رہے گا؛ حالانکہ متبادل تو پہلے سے تیار موجود ہے جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

دُنیا کی تمام عدالتوں اور ماہرینِ قانون کا مسلمہ قاعدہ یہی ہے کہ جب قانون کے الفاظ عام ہوں اور کوئی استثنائی فقرہ سیاق و سباق میں بھی موجود نہ ہو اور مجموعۂ قوانین میں بھی موجود نہ ہو تو عدالتیں اس قانون کو عام ہی قرار دیتی ہیں اور جس پر بھی قانون منطبق ہوتا ہو اس پر نافذ کرتی ہیں۔

عام کی فنی تعریف :

عموم کے معنی ہیں شمول اور لفظ عام کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

"ھو اللفظ الذی یستغرق جمیع ما یصلح لہ من الافراد"[1]

(عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں)

عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے لفظ عام کی تقریباً سات قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنے میں عموم و شمول موجود ہو، مثلاً کُل، جمیع، عامۃ، کافۃ اور قاطبۃ وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ لفظ مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو۔[2]

---

[1] اصولِ سرخسی ص ۱۲۵ جلد ۱

[2] اصولِ سرخسی ص ۱۵۱ جلد ۱

قرضٍ جرّ فھو ربا" ۔ ؎

(حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے)

(۱۹ تا ۲۴) امام بیہقی نے "کل قرض جرّ منفعة" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت عمرؓ، ابنِ مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہؓ بن سلام کے اقوال نقل کیے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ "ہر قسم کے قرض پر نفع لینا سود ہے"۔

سود کے خاتمے کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ا کے جواب میں مَیں نے کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا کی حدیث کی اسنادی حیثیت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ شواہد کثیرہ کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے اور قابلِ قبول ہے۔

قرآن وسُنّت کے عام حُکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں ہے

مذکورہ ۱۰ آیات قرآنیہ، ۱۵ احادیث نبویہ اور ۹ آثار صحابہؓ میں ہر قسم کے قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے خواہ افراد کے درمیان ہو یا اداروں کے درمیان۔ حکومت اور عوام کے درمیان ہو یا دو حکومتوں کے درمیان، اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کے درمیان ہو یا مسلمان اداروں اور غیر مسلم اداروں کے درمیان۔ آخر وہ کون سی دلیل

؎ المطالب العالیہ از ابنِ حجر طبع بیروت ص ۴۱۱ جلد ۱ رقم الحدیث ۱۳۷۳

جامع صغیر از سیوطی ص ۹۴ جلد ۲

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمتِ ربا کی نصوص (متن قانون) پر غور کرنا چاہیے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے۔ مذکورہ آیات و احادیث میں لفظ الربا آیا ہے جو مفرد "مُعَرَّف باللام" ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کا ربا حرام ہے اور سود کھانے اور کھلانے والا ملعون ہے۔ خواہ مُسلم فرد سے سود لیتا ہو یا اسے دیتا ہو۔ غیر مسلم ادارے اور غیر اسلامی حکومت کے ساتھ یہ سودی لین دین کرتا ہو یا کسی مسلم ادارے اور اسلامی حکومت کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہو۔ اسی طرح کل قرض جرّ نفعاً فھو ربا میں لفظ کل آیا ہے جس کے معنی موضوعٌ لہٗ میں عموم و شمول موجود ہے، یعنی ہر قسم کے قرض پر مشروط نفع سود ہے خواہ مُلکی قرضے ہوں یا غیر مُلکی قرضے ہوں۔ غیر اسلامی حکومتوں سے لیے گئے ہوں یا قومی اور مُلکی ضروریات اور ترقیاتی منصوبوں کے لیے حاصل کیے گئے ہوں۔ سب پر نفع دینا سود کھلانا ہے جو موجبِ لعنت ہے۔ اس سے صرف اضطرار کی صورتِ حال نصوص میں مستثنیٰ کی گئی ہے، لیکن شخصی یا قومی زندگی کا معیار بلند کرنا اور سہولتیں مہیا کرنا ایک ضرورت تو ہے مگر اضطرار نہیں ہے۔ اضطرار ناقابلِ برداشت صورتِ حال کا نام ہے جس میں مر جانے کا خطرہ درپیش ہو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے اور عقل و خرد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شخصی اور قومی زندگی کا معیار اپنے وسائل کے مطابق رکھنا چاہیے اور اس معیار کو بلند کرنے کے لیے اپنے وسائل کی حدود کے اندر رہ کر کوشش کرنی چاہیے! سودی قرضوں کے ذریعے مصنوعی ترقی تو کوئی چیز نہیں ہے۔

جس طرح مسلمانوں پر چوری، رہزنی، رشوت، دھوکہ دہی اور خیانت حرام ہے تو ہر جگہ حرام ہے اور ہر مسلمان کے لیے حرام ہے خواہ وہ حکمران ہو، کسی ادارے کا سربراہ ہو یا عام فرد ہو۔ جس طرح افراد کے لیے یہ چیزیں حرام ہیں اسی طرح اسلامی، حکومت کے لیے بھی حرام ہیں۔ جس طرح افراد کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ

غیر مسلموں اور غیر ملکیوں سے چوری، رہزنی، رشوت اور خیانت کے ذریعے دولت کمائیں، اسی طرح اسلامی حکومت کو جو مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والا ادارہ ہوتا ہے یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ چوری یا رہزنی، رشوت اور خیانت کے معاہدے کرے، تو ربا کے معاہدوں کی اجازت آخر کس اصول و دلیل کی بنیاد پر دی جا سکتی ہے؟ اس لیے کہ ربا کی حرمت بھی قطعی، ابدی اور عام ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ مسلمان عوام کے لیے تو سود حرام ہو، مگر مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والی اسلامی حکومت کے لیے غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ سودی کاروبار جائز ہو!!

اسلامی حکومت قومی اور بین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے

اسلامی حکومت کوئی سیکولر حکومت نہیں ہوتی کہ عوام کو تو اسلام پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہو، مگر ریاستی، سیاسی اور اقتصادی امور میں دین و مذہب کو دخل دینے کی اجازت نہ دیتی ہو۔ اسلامی حکومت کا فرضِ منصبی اقامتِ دین ہے اور دنیا بھر میں دین کی دعوت و تبلیغ کرنا اور اسلامی فکر کی نمائندگی کرنا اس کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ ایک نظریاتی ریاست اپنے تمام وسائل اور تدابیر و اقدامات ریاست کے نظریے کے فروغ کے لیے کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ جب یہ نظریاتی ریاست خود اپنے قومی نظریے کے خلاف معاہدے کرتی ہو اور بین الاقوامی طور پر اپنے نظریے کے بجائے دوسروں کے نظریات و افکار کی پابندی کرتی ہو تو اس کے معنی تو یہی ہوں گے کہ یہ حکومت اپنے نظریے کو دوسروں کے سامنے مشکوک بناتی ہے، حالانکہ اس کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اپنے نظریے کی سچائی ثابت کرتی اور اس کی نمائندگی کرتی۔ کسی مسلمان فرد کی غلطی کو تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے، مگر کروڑوں مسلمانوں کی وکالت و نمائندگی کرنے والی حکومت اسلام کا نمونہ پیش کرنے کے بجائے جب کفر کا نمونہ پیش کرے۔ غیر اسلامی معاہدے کرے۔ سودی کاروبار میں ملوث ہو اور بین الاقوامی ساہوکاروں کی شریکِ کار ہو تو پھر یہ اسلامی احکام اور اسلامی فکر کی نمائندگی کا فرض کس طرح انجام

دے سکے گی اور دُنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کس طرح کرے گی؟ کیا یہ دُنیا کو یہ سبق پڑھائے گی کہ اسلامی نظام میں مُلک کے اندر تو سود حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر سودی کاروبار حلال ہے؟ ایسی صورت میں تو دُنیا اسلام سے متاثر ہونے کے بجائے مزید متنفر ہوگی۔ آخر اس بات کو لوگ کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں کہ مُلک کے اندر تو ظُلم حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر ظُلم حلال ہے؟

غیر مسلموں کے ساتھ غیر شرعی کاروبار:

سورۃ النساء کی آیت ۱۶۱ میں ارشادِ ربانی ہے کہ یہودی بھی سُود سے منع کر دیے گئے تھے:

"وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔"

(یہ سزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

یہودی تو آج عالمی ساہوکاری کے اجارہ دار بنے ہوتے ہیں، لیکن ان کی مقدس کتاب بائیبل (عہدنامہ قدیم) میں آج بھی سُود کی حُرمت کا حُکم موجود ہے۔ دو اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اگر تُو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اُن سے سود لینا۔"

(خروج باب ۲۲ - ۲۵)

"تُو اس سے سود اور نفع مت لے، اپنے خدا سے ڈر، تاکہ تیرا بھائی تیرے

ساتھ زندگی بسر کرے تو اسے سُود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا۔" (احبار باب ۲۵ - صفحہ ۳۶ - ۳۷)

بائیبل (عہدنامہ قدیم) کے اس واضح حکم کے باوجود ان کا طرزِ عمل قرآنِ کریم نے اس طرح نقل کیا ہے:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" [1]

(اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تُو ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھے تو یہ اسے واپس نہیں دیں گے، مگر جب تک کہ تو ان کے سروں پر ہمیشہ کے لیے کھڑا رہے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر اَن پڑھ لوگوں کے اموال کے بارے میں کوئی حُجت نہیں ہے۔ یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، حالانکہ ان کو علم ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔)

قاضی بیضاویؒ اور دوسرے مفسّرین نے لکھا ہے کہ اُمیین سے ان کی مراد عرب اور دوسرے وہ تمام لوگ تھے جو ان کے مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہودی پر غیر یہودی کا مال مباح ہے اور اس کے مباح نہ ہونے کی کوئی حجت ہمارے خلاف موجود نہیں ہے۔ ہم ان کا مال جس طریقے سے بھی حاصل کرلیں وہ ہمارے لیے حلال ہوگا۔ اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کرلیں کہ آپس میں تو سودی کاروبار نہ کریں مگر غیر مسلموں اور غیر مُسلم حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی اور دوسرے غیر اسلامی معاہدے کرتے رہیں اور اس طرزِ عمل کو جائز قرار دیں تو یہ یہودی سُنت کی پیروی نہیں ہوگی

---

[1] آل عمران ۳ - آیت ۷۵

تو اور کیا ہوگی ؟ اعاذنا اللہ منہا۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کی حرمت ان احکام میں شامل ہے جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں بالخصوص تورات کی شریعت میں بھی موجود تھے :

"عن صفوان بن عسالؓ قال قال یہودی لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبیؐ فقال لہ صاحبہ لاتقل نبیؐ انہ لو سمعک کان لہ اربع اعین فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألاہ عن تسع آیات بینات فقال لھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتشرکوا باللہ شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا تمشوا ببری الی ذی سلطان یقتلہ ولا تسحروا ولا تأکلوا الربا ولا تقذفوا محصنۃ ولا تولوا الفرار یوم الزحف وعلیکم خاصۃ الیھود ان لا تعدوا فی السبت قال فقبلا یدیہ ورجلیہ وقالا نشھد انک نبیؐ قال فما یمنعکم ان تتبعونی قالا ان داؤد دعا ربہ ان لا یزال من ذریتہ نبیؐ وانا نخاف ان اتبعناک ان تقتلنا الیھود" [1]

(صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا میرے ساتھ اس نبی کے پاس جاؤ ! اس کے ساتھی نے کہا نبی نہ کہو اگر اس نے سن لیا تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی (خوش ہو جائے گا) جب یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نو کھلی نشانیوں کے بارے میں پوچھا

---

[1] سنن ترمذی کتاب الادب والاستیذان باب قبلۃ الید والرجل وفی تفسیر باب من سورہ بنی اسرائیل ۔ سنن نسائی کتاب تحریم الدم باب السحر و مسند احمد ص ۲۳۹، ۲۴۰ جلد ۴ مسند صفوان

(جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نشانیاں یعنی موسیٰؑ کے مشہور نو معجزات کا ذکر کرنے کے بعد جن کا راوی نے اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ مشہور ہیں اور قرآنِ کریم میں مذکور ہیں) فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) کسی نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کر دیا ہو، مگر حق کے ساتھ (۵) کسی پاک اور بے گناہ شخص کو (جھوٹی تہمت لگا کر) حکمران کے پاس لے کر نہ جاؤ تاکہ وہ اسے (ناحق) قتل کر دے (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) کسی پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ (۹) بھاگنے کی نیت سے دشمن کے لشکر کا سامنا کرتے وقت منہ نہ پھیرو (بھاگو مت) اور اے یہود یو! تم پر خاص طور پر (دسواں) حکم یہ تھا کہ ہفتے کے دن کے بارے میں حکم سے تجاوز نہ کرو۔ صفوانؓ کہتے ہیں کہ اس پر ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا نبی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم میری پیروی کیوں نہیں کرتے (جاننے کے باوجود مانتے کیوں نہیں ہو؟) انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ آئندہ کے لیے نبی میری نسل ہی میں بھیجا جائے، اس لیے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ کی پیروی کریں تو یہود ہمیں مار ڈالیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کے بارے میں یہودیوں کی یہ بات جھوٹی تھی، لیکن ان میں مشہور تھی، اس لیے یہ ڈر گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ ۹ چیزیں جن میں سود بھی شامل ہے تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام تھیں۔

مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ

نفاذِ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ میں جن سودی معاہدوں اور سود کی ادائیگیوں کو جاری رکھنے کا ذکر ہوا ہے اور جن کو اس ایکٹ کی دفعات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ وہ تو غیر اسلامی حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی کاروبار ہے جو پاکستان کی حکومت یا ادارے مُلک میں بیٹھے ہوئے کرتے ہیں، یعنی حکومت اور ادارے اپنے مُلک میں سکونت پذیر ہوتے ہوئے یہ معاہدے کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں تو تمام فقہاءِ اسلام معہ حنفیہ کے سودی کاروبار کو حرام کہتے ہیں۔ کسی امام، فقیہ، محدّث اور عالمِ دین کا کوئی شاذ قول بھی مجھے باوجود تلاش کرنے کے نہیں مل سکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اسلامی حکومت کسی غیر اسلامی حکومت کے ساتھ سودی معاہدے یا دوسرے غیر شرعی عقود کر سکتی ہے یا اسلامی ریاست میں کام کرنے والا کوئی سرکاری، نیم سرکاری یا نجی ادارہ غیر اسلامی ریاست میں کام کرنے والے اداروں کے ساتھ عقودِ فاسدہ یا سودی معاہدے کر سکتا ہے۔ موجودہ صورتِ حال یہ نہیں ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں کی حدود میں مستقل طور پر یا وقتی طور پر رہائش رکھنے والے مُسلمان غیر مسلموں سے سودی لین دین کرتے ہیں اور اس کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں شرعی فیصلہ درکار ہے۔ یہ صورتِ حال اس وقت عدالت کے زیرِ غور نہیں ہے اور نہ کسی نے عدالت سے اس صورت حال کے بارے میں فیصلہ دینے کی درخواست کی ہے، بلکہ صحیح اور حقیقی صورتِ حال یہ ہے کہ غیر مُسلم حکومتوں اور اداروں سے قرضے وغیرہ پاکستان میں معاہدے کی بنیاد پر لیے جاتے ہیں اور ان پر سود پاکستان کی حکومت یا ادارے ادا کرتے ہیں۔ معاہدے جہاں بھی ہوئے ہوں ادائیگیاں پاکستان سے کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ آیات واحادیث

کے قطعی عموم وشمول کی روشنی میں یہ لین دین حرام ہے اور سودی کاروبار ہے جس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور دارالحرب کی حدود کے اندر حربی کافر سے سود لینے یا دینے کے مسئلے کا اس صورتِ حال سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، لیکن چونکہ آج کل مٹھی بھر متجددین اور نام نہاد متنوّرین سود کو جائز ہی نہیں، بلکہ مفید ترین قرار دینے کے لیے یورپین طرز کے اجتہاد کا شوق رکھتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی عقل کو خدا کے احکام کو بدلنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کی "عقل مادّی" دارالحرب میں سُود کے مسئلے سے سہارا لینے کی کوشش کرے جس کے جواز یا عدم جواز میں تھوڑا سا اختلاف اور ابہام واشتباہ موجود ہے۔ اس سہارے کو توڑنے کے لیے موضوع سے غیر متعلق ہونے کے باوجود نفسِ مسئلہ کی حیثیت سے تنقیح وتشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے سود کے خاتمہ سے متعلق انقلابی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں میں نے اس مسئلے کی بقدرِ ضرورت تشریح کر دی ہے۔ اس وقت اس جواب کی تلخیص اور کچھ نئے نکات پیشِ خدمت ہیں:

دارالحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاءِ اسلام کی آرا:

صحیح ترتیب یہ نظر آتی ہے کہ پہلے اس مسئلے میں چاروں فقہی مکاتبِ فکر کی آراء نقل کی جائیں۔ اس کے بعد دلائل بیان کیے جائیں اور پھر دلائل کا تحقیقی جائزہ لے کر مسلک راجح کا تعین کیا جائے۔ میں نے اپنے ذوقِ تحقیق کے مطابق ہر فقہی مسلک معتمد کتابوں سے براہِ راست نقل کیا ہے:

(۱) امام مالکؒ بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ)

"قلتُ هل سمعتَ مالكاً يقول بين المسلم اذا دخل بلادَ الحربِ وبين الحربي ربا؟ قال لم اسمع من مالكٍ فيه شيئاً ولا أرى للمسلم ان يتعمد

لذالك " [1]

(سحنون بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے (عبدالرحمٰن بن قاسمؒ سے) پوچھا کہ آپ نے امام مالکؒ سے اس بارے میں کچھ سنا تھا کہ کوئی مسلمان جب دارالحرب میں داخل ہو کر کسی حربی کے ساتھ سود کا معاملہ کرے تو حکم کیا ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ امام مالکؒ سے تو میں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سنا مگر میں کسی مسلمان کے لیے اس کا ارادہ کرنا بھی جائز نہیں سمجھتا)

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور جانشین قاضی ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ)

"وعند ابی یوسفؒ والشافعیؒ لایجوز" [2]

(قاضی ابو یوسفؒ اور شافعیؒ کے نزدیک دارالحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے)

(۳) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ)

قال ابوحنیفہؒ لو ان مسلماً دخل ارض الحرب بامان فباعہم الدرھم بالدرھمین لم یکن بذالک بأس لان احکام المسلمین لا یجری علیھم فبای وجه اخذ اموالھم برضا منھم فھو جائز" قال الاوزاعیؒ الربا علیھم حرام فی ارض الحرب وغیرھا۔ وقال ابو یوسف وغیرھا۔ وقال ابو یوسف القول ما قال الاوزاعی لایحل ھذا ولا یجوز ــــــ قال الشافعی القول ما قال ابو یوسف ۔" [3]

(ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب (غیر اسلامی حکومت کی سرزمین میں

---

[1] المدونۃ الکبریٰ کتاب التجارۃ بارض العدو ص۲۷۱ جلد ۴

[2] المبسوط للسرخسی طبع بیروت ۱۹۸۷ء ص۵۶ جلد ۱۴۔ و ہدایہ مع فتح القدیر ص۳۸-۳۹ جلد ۷

[3] کتاب الام للامام الشافعیؒ طبع بیروت ۱۹۷۳ء ص ۳۵۸-۳۵۹ جلد ۷

امن لے کر داخل ہوجائے اور کفار پر دارالحرب میں ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں کچھ باک نہیں ہے، اس لیے کہ حربی کافروں پر مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے تو ان کے مال ان کی رضا سے جس طرح اور جس طریقے پر بھی کوئی مسلمان لے لے تو جائز ہے، مگر امام اوزاعیؒ (شام کے فقیہ اور محدث اور امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر تھے) نے کہا ہے کہ سود مسلمانوں پر دارالحرب اور غیر دارالحرب دونوں میں حرام ہے۔ ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ صحیح قول اوزاعیؒ کا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں صحیح قول وہی ہے جو اوزاعیؒ اور ابو یوسفؒ کا ہے)

(۴) امام احمدؒ بن حنبل الشیبانی (المتوفی ۲۴۱ھ) :

"ویحرم الربا فی دارالحرب کتحریمہ فی دارالاسلام وبہ قال مالکؒ والاوزاعی وابو یوسفؒ والشافعیؒ واسحقؒ" [1]

(سود دارالحرب میں اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ دارالاسلام میں حرام ہے۔ امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام اسحق بن راہویہؒ (شیخ البخاری) کا قول بھی یہی ہے)

ان ائمہ کی تائید میں متعدد تابعین اور فقہاء و محدثین کے اور بھی اقوال پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن یہ چار ائمہؒ، یعنی امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس رائے کی نمائندگی کے لیے کافی ہیں۔ ان سب کی دلیل حرمت ربوا کے بارے میں وہ آیات و احادیث صحیحہ ہیں جن میں عمومی اور واضح الفاظ میں ربا کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے خواہ دارالحرب میں حربی کافر سے لیا جائے یا اسے دیا جائے یا دارالاسلام میں مسلمانوں اور ذمی کافروں کے ساتھ سودی لین دین کا معاملہ کیا جائے۔ نصوص قرآن و سنت میں دارالحرب

---

[1] المغنی لابن قدامہ حنبلی طبع ۱۹۶۹ء صـ۳۲ جلد ۴

اور حربی کافر کا استثناء موجود نہیں ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حربی کفّار کے اموال میدانِ جنگ میں تو مُسلمانوں کے لیے حلال ہیں جن میں سے خمس یا سرکاری خزانے میں داخل ہو گا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے، لیکن امن کی حالت میں سودی معاہدوں یا دوسرے عقودِ فاسدہ کے ذریعے کفّار کا مال حلال اور مباح نہیں ہو سکتا۔ غیر شرعی طریقے سے حاصل کردہ مال حرام ہوتا ہے خواہ مُسلمان اور ذمی سے لیا گیا ہو یا حربی کافر سے لیا گیا ہو۔

(۵-۶) امامِ اعظم ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) اور امام محمدؒ (متوفی ۱۸۹ھ) :

قال (ای محمدؒ) ذکر عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربا بین المسلمین وبین اھل دار الحرب فی دار الحرب وھذا الحدیث وان کان مُرسلاً فمکحول فقیہ ثقۃ والمرسل من مثلہ مقبول وھو دلیل لابی حنیفۃؒ ومحمدؒ فی جواز بیع المسلم الدرھم بالدرھمین من الحربی فی دار الحرب۔" [1]

(امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ مکحولؒ سے نقل ہوا ہے کہ مسلمانوں اور حربی کافروں کے درمیان دار الحرب میں سود حرام نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، مگر مکحولؒ ایک ثقہ فقیہ تھے اور ایسے شخص کی مرسل حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ دار الحرب میں مسلمان اگر ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں حربی کافر پر فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے)

" واذا دخل المسلم دار الحرب بامانٍ فلا بأس بان یأخذ منھم اموالھم بطیب انفسھم بای وجہ کان" [2]

---

[1] المبسوط للسرخسیؒ ص۵۶ جلد ۱۴ باب الصرف فی دار الحرب

[2] شرح السیر الکبیر ص۱۴۱۱ جلد ۴

(مسلمان امان لے کر جب دارالحرب میں جائے تو حربی کافروں کا مال ان کی رضامندی سے جس طریقے پر بھی حاصل کرلے تو کوئی گناہ نہیں ہے)

دارالحرب میں جوازِ ربا کے مُبیّنہ دلائل :

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالاسلام (اسلامی حکومت) سے امان لے کر جو مسلمان دارالحرب میں جاکر سکونت اختیار کرلے یا پہلے سے وہاں پر رہتا ہو وہ دارالحرب (غیر اسلامی حکومت) میں حربی کافر سے سود لے سکتا ہے۔ اس مسلک کے لیے جو دلائل امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں اور امام سرخسیؒ نے مبسوط میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

"ذکر عن مکحولؒ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ربا بین المسلمین وبین اھل دارالحرب فی دارالحرب وھذا الحدیث وان کان مرسلاً فمکحول فقیہ ثقۃ والمرسل من مثلہ مقبول وھو دلیل لابی حنیفۃؒ ومحمدؒ" [1]

(مکحولؒ سے نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمانوں اور دارالحرب میں رہنے والوں کے درمیان دارالحرب میں ربا نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر مکحولؒ فقیہ ہے اور ثقہ ہے اور ایسے راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کی دلیل ہے)

امام سرخسیؒ نے یہ روایت لفظ ذکر کے ساتھ بغیر اسناد کے نقل کی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مکحولؒ الشامی الدمشقی (متوفی ۱۱۶ھ) ثقہ تابعی تھے اور فقیہ بھی تھے[2] مگر ثقہ تابعی

---

[1] المبسوط ص۵۶ جلد ۱۴ از سرخسی [2] تاریخ الثقات للعجلی متوفی ۲۶۱ھ طبع ۱۹۸۴ء ص۴۳۹ کتاب الثقات لابن حبان متوفی ۳۵۴ھ ص۴۴۶ جلد ۵۔ التہذیب لابن حجر ص۲۸۹ تا ص۲۹۲ جلد ۱۰

کی حدیث مرسل کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ اتفاق رائے نہیں ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک ثقہ تابعی کی مرسل مقبول ہوتی ہے لیکن یہ اس صورت میں مقبول ہوتی ہے جب سند میں دوسری کوئی علت موجود نہ ہو۔ جب تک اس کی پوری سند سامنے نہ ہو تو اس کے قبول یا رد کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی سند امام شافعیؒ نے اس طرح نقل کی ہے:

"قال ابو یوسفؒ انما احل ابوحنیفةؒ لان بعض المشیخة حدثنا عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا ربا بین اھل الحرب واھل الاسلام۔ قال الشافعیؒ وھذا لیس بثابت فلا حجة فیہ۔" [1]

(امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے دارالحرب میں سود کو اس لیے حلال قرار دیا ہے کہ بعض اساتذہ نے ہمیں یہ حدیث بتائی ہے کہ مکحولؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہیں ہے، مگر امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔)

علامہ جمال الدین زیلعیؒ حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) نے بھی امام بیہقیؒ کی کتاب "المعرفة فی السنن والآثار" کے حوالے سے امام شافعیؒ کا درج بالا قول نقل کیا ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے اور حجت نہیں بن سکتی اور اس قول کی تردید نہیں کی۔ [2]

"کتاب الام للشافعیؒ" اور "المعرفة فی السنن والآثار" للبیہقیؒ کے مذکورہ حوالوں سے

---

[1] کتاب الام للامام الشافعیؒ طبع بیروت ۱۹۷۳ء صفحہ ۳۵۸ صفحہ ۳۵۹ جلد ۷

[2] نصب الرایہ للزیلعی طبع ۱۹۳۸ء صفحہ ۴۴ جلد ۴ ومثلہ فی الدرایہ لابن حجرؒ

اس حدیث کی سند یہ معلوم ہوئی کہ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ بعض مجہول الاسم اور مجہول الحال اساتذہ سے نقل کرتے ہیں اور یہ نامعلوم استاد امام مکحولؒ سے نقل کرتے ہیں اور مکحولؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ابو یوسفؒ کو یہ حدیث معلوم تھی اور وہ خود اس کے راوی تھے تو پھر انہوں نے دارالحرب میں جواز ربا کا فتویٰ کیوں نہیں دیا اور حدیث کے خلاف رائے کیوں قائم کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے "بعض المشیخۃ" کا لفظ استعمال کرکے خود اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔ اس لیے کہ مکحولؒ تو یقیناً ثقہ تابعی تھے، مگر اس سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ اگر یہ حدیث مرسل نہ ہوتی، بلکہ متصل ہوتی، پھر بھی حجت نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس کی سند کے ایک راوی مجہول ہیں۔ امام نوویؒ نے "التقریب" میں اور سیوطیؒ نے تقریب کی شرح "تدریب" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث "حدثنی ثقہ" (میرے سامنے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا تھا) کے الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہو تو صحیح تحقیق یہی ہے کہ وہ بھی حجت نہیں بن سکتی اور یہاں تو ثقہ کا لفظ بھی نہیں آیا، بلکہ "حدثنا بعض المشیخہ" کا لفظ آیا ہے۔ اگر یہ مجہول الاسم شیخ ابو یوسفؒ کے نزدیک ثقہ ہوتے تو اس کا نام لیتے اور حدیث پر عمل بھی کرتے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں اس حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اگر زیلعیؒ حنفی اس سے متفق نہ ہوتے تو اس کا جواب دیتے۔

ابن قدامہؒ حنبلی (متوفی ۶۲۰) دارالحرب میں بھی حرمت ربا کے اثبات میں لکھتے ہیں:

"ولنا قول اللہ تعالیٰ وحرم الربا وقولہ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ وقال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا وعموم الاخبار یقتضی تحریم التفاضل وقولہ من زاد او ازداد فقد اربیٰ عامٌ وکذالک سائر

الاحادیث وان ما کان محرّماً فی دار الاسلام کان محرّماً فی دار الحرب کالربا بین المسلمین وخبرهم مرسل لا نعرف صحته ولا یجوز ترک ما ورد بتحریمه القرآن وتظاهرت به السنة وانعقد الاجماع بتحریمه بخبر مجهول لم یعرف فی صحیح ولا مسند ولا کتاب موثوق به" [1]

(ہماری دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ "اُس نے سود حرام کیا ہے" اور یہ قول کہ "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جسے خبطی بنا دیا ہو شیطان نے جنون کی وجہ سے)

اور یہ قول کہ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو بقایا ہو سود میں سے" اور ہماری دلیل اُن احادیثِ رسولؐ کا عموم بھی ہے جو سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ قولِ رسولؐ کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، تو اُس نے سود لیا اور دیا، اسی مضمون کی دوسری احادیث بھی ہماری دلیل ہیں۔ اور جائز کہنے والوں نے جو حدیث پیش کی ہے وہ ایک مرسل حدیث ہے جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیثِ کثیرہ کو اور حرمت ربا پر منعقد ہونے والے اجماع کو ایسی مجہول حدیث کی بنا پر ترک کرنا جائز نہیں ہے جو کسی صحیح اور متصل سند کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوئی اور کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر بھی نہیں ہوا۔"

ابن قدامہؒ مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ اس حدیث پر ان کے نقد کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی ہے، مجہول بھی ہے اور کسی صحیح سند اور معتمد کتاب میں نقل بھی نہیں

---

[1] المغنی شرح الخرقی ص ۳۲، ۳۳ جلد ۴ مسئلہ نمبر ۲۸۴۰ طبع مکتبۃ القاہرہ ۱۹۶۹ء

ہوئی، لہٰذا اس کی بنا پر آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ کثیرہ اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ حرمت ربا میں تخصیص نہیں کی جاسکتی اور نہ نصوص کے عموم کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

"ولا فرق فی تحریمہ بین دار الاسلام ودار الحرب فما کان حراماً فی دار الاسلام کان حراماً فی دار الحرب سواءٌ جری بین مسلمین او مسلم وحربیٍ سواء دخل المسلم بامانٍ ام بغیرہ ھذا مذھبنا وبہ قال مالکؒ واحمدؒ وابو یوسفؒ والجمھور وقال ابو حنیفہؒ لا یحرم الربا فی دار الحرب بین المسلم واھل الحرب ولا بین مسلمین لم یھاجروا منھا واحتج بما روی عن مکحولؒ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربا بین مسلم وحربی فی دار الحرب والجواب انہ مرسل ضعیفٌ" [1]

(سود کے حرام ہونے میں دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جو چیز دار الاسلام میں حرام ہو وہ دار الحرب میں بھی حرام ہوتی ہے، خواہ مسلمانوں کے درمیان ہو یا مسلمان اور حربی کے درمیان ہو۔ خواہ مسلمان دار الحرب میں امان لے کر داخل ہوا ہو یا بغیر امان کے داخل ہوا ہو۔ یہ ہمارا مسلک ہے (شافعیہ کا) اور امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور جمہور کا قول بھی یہی ہے، مگر ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں سود حرام نہیں ہے اور ان دو مسلمانوں کے درمیان بھی حرام نہیں ہے جنہوں نے ہجرت نہ کی ہو۔ انہوں نے اس روایت کو حجت بنایا ہے کہ مکحولؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، مسلمان اور حربی کے

---

[1] المجموع شرح المہذب للامام النوویؒ بتحقیق محمد نجیب المطیعی طبع جدہ ص ۴۸۸، ۴۸۹ جلد ۹

درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی ہے)

مشہور حنفی فقیہ ابن الہمامؒ نے جواز کے مسلک کی کھل کر تو تردید نہیں کی، مگر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

" وھٰذا لا یفید لمعارضۃ اطلاق النصوص الابعد ثبوت حجیۃ حدیث مکحولؒ وقد یقال لو سلم حجیتہ فالزیادۃ بخبر الواحد لاتجوز واثبات قید علی المطلق من نحو لاتاکلوا الربا ونحوہ ھو الزیادۃ" [1]

(دارالحرب میں جوازِ ربا کی یہ وجہ مفید ثابت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ حرمت ربا کی مطلق اور عام نصوص سے یہ دلیل ٹکراتی ہے اور یہ حدیث یعنی "لا ربا بین المسلم والحربی" نصوصِ مطلقہ کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جا سکتی ہے جبکہ یہ صحیح اور قوی ہو، بلکہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابلِ قبول ہے پھر بھی چونکہ یہ خبرِ واحد ہے جس کے ذریعے مطلق پر زائد قید لگانا جائز نہیں ہے اور "لا تاکلوا الربا" اور اس مفہوم کی دوسری آیات مطلق ہیں جن پر کوئی قید لگانا جائز نہیں ہے) (مثلاً یہ قید کہ صرف دارالاسلام میں سود نہ کھاؤ)

ابن الہمام حنفی کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اس حدیث کی صحت مشکوک ہے، اور اگر صحیح بھی ہو پھر بھی یہ خبرِ واحد ہے اور اس کی بنا پر سود کی حرمت کو دارالاسلام کی قید کے ساتھ مقیّد کرنا خود حنفی اصول کی رُو سے جائز نہیں ہے۔

---

[1] فتح القدیر شرح الہدایہ ص۳۹ جلد ۷، باب الربا

مذکورہ اسنادی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث حرمتِ ربا کے بارے میں قطعی اور عام و مطلق نصوص کے مقابلے میں سرے سے قابلِ استدلال ہی نہیں ہے۔ چونکہ شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ اور جمہور کی رائے سے امام ابو یوسفؒ بھی اتفاق کرتے ہیں جو حنفی امام تھے، بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے جانشین تھے، اس لیے ان کی رائے پر فتویٰ اور فیصلہ دینا حنفی مسلک سے خروج بھی نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے "حاوی للقدسی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے درمیان جب اختلاف رائے ہو تو اہلِ نظر کے لیے جائز ہے کہ اسی رائے کو اختیار کریں جس کی دلیل مضبوط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۷ مسائل میں امام زفرؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے[1] لیکن بالفرض اگر یہ حدیث قابلِ استدلال تسلیم بھی کر لی جائے پھر بھی اس کے الفاظ دار الحرب میں جوازِ ربا پر صراحتاً دلالت نہیں کرتے، بلکہ ان میں تاویل کی گنجائش موجود ہے اور نصوص مطلقہ کے ساتھ تعارض و تناقض کو رفع کرنے کے لیے احتمالی تاویلات کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ان تاویلات میں سے ایک تاویل کا ذکر ابن قدامہؒ حنبلی اور امام نوویؒ نے بھی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ 'لا ربا' میں حرف 'لا' نفیِ حرمت کے لیے نہیں ہے، بلکہ نفی کے جواز کے لیے ہے، یعنی سود حربی اور مسلمان کے درمیان بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان جائز نہیں ہے اور دار الحرب میں بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ دار الاسلام میں جائز نہیں ہے۔ اور اس نہی کا مقصد اس وہم اور شبے کا ازالہ ہے کہ شاید حربی کے ساتھ دار الحرب میں سودی کاروبار جائز ہوگا، اس لیے کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا اور ان کے اموال پر میدانِ جنگ میں قبضہ کرنا اور پھر مجاہدین میں حسبِ قاعدہ تقسیم کرنا جائز ہے تو اس وہم و شبے کے ازالے کے لیے فرمایا کہ "لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" یعنی سودی معاہدے

---

[1] درمختار مع رد المحتار ص ۶۵، ۶۶ جلد ۱

کو مالِ غنیمت یا مالِ فئی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ مال عقد ربا کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔ اور عقد ربا دار الحرب میں بھی جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس مالِ غنیمت اور مالِ فئی جنگ یا صلح کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے جو جائز ہے۔ لاربا کی اس تاویل کی مثال یہ آیت ہے کہ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اس آیت میں فَلَا رَفَثَ میں حرفِ نفی ہی اور نہی کے معنوں میں آیا ہے۔ [1]

مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد حدیث کی اس تاویل کے قائل نہیں ہیں، اس لیے کہ السیر الکبیر اور مبسوط سرخسی میں تصریح ہے کہ دار الحرب میں ربا حلال اور طیب ہے۔

اس حدیث کی دوسری تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ دار الحرب میں سود کے جواز کا مطلب عند اللہ جائز اور حلال ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الاسلام کے قاضی کے اختیارات چونکہ دار الحرب میں نافذ نہیں ہیں، اس لیے اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں جاکر کسی حربی کے ساتھ سودی معاملہ یا کوئی دوسرا غیر شرعی معاملہ کیا ہو تو قاضی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا، اگرچہ عند اللہ وہ گنہگار ہوگا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوبؒ سے یہ تاویل نقل کی ہے،

"معناہ انہ لو اخذ مسلم درھمین بدرھم من الحربی فی دار الحرب لم یتعرض لہ الامام کما لا یحد اذا زنی فی دار الحرب ھذا ھو معنی جواز ھذہ المعاملۃ عندہ" [2]

(اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے حربی سے ایک درہم کے بدلے میں دو درہم لے لیے تو مسلمانوں کا حکمران اس سے تعرض نہیں کرے گا،

---

[1] المغنی لابن قدامہ ص ۳۳ جلد ۴ شرح المہذب للنووی ص ۴۸۸ جلد ۹

[2] اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص ۳۴۴ جلد ۱۴

جیسا کہ اگر اس نے دار الحرب میں زنا کیا ہو تو اس پر حدِ زنا جاری نہیں کرے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس معاملے کے جواز کے معنی یہی ہیں)
مولانا مودودیؒ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی یہی توجیہ کی ہے۔ [1]

لیکن یہ تاویل حدیث کے الفاظ میں تو بتکلف کی جا سکتی ہے، اگرچہ لا ربا کے ظاہری معنی یہ نہیں بن سکتے، مگر امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی یہ توجیہ و تاویل تو بالکل نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ السیر الکبیر اور مبسوط میں امام محمدؒ نے بغیر کسی ابہام کے تصریح کی ہے کہ دار الحرب میں حربی کافر کا مال جس ذریعے سے بھی حاصل کیا گیا ہو حلال و طیب ہے، بشرطیکہ عہد شکنی اور دھوکہ دہی نہ ہوئی ہو۔

تیسری توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ حربی سے مراد ہر غیر ذمی کافر نہیں ہے اور دار الحرب سے مراد ہر دار الکفر نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد برسرِ جنگ قوم کا فرد ہے۔ ظاہر ہے کہ حالتِ جنگ میں دشمن کے اموال و نفس حرام نہیں ہوتے، بلکہ حلال ہوتے ہیں۔ جن ممالک کے ساتھ اسلامی حکومت کے معاہدے ہوں اور حالتِ جنگ نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان امن و امان کی حالت ہو تو ایسی صورت میں ان کے اموال و نفس حرام ہوتے ہیں، مباح اور حلال نہیں ہوتے تو ان کے اموال پر عقودِ فاسدہ کے ذریعے قبضہ بھی مباح اور حلال نہیں ہو سکتا۔ آج مسلمان ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کرنے کی وجہ سے معاہدے ہیں، لہٰذا یہ غیر اسلامی حکومتیں تو ہیں مگر دار الحرب نہیں ہیں اور حدیث مذکور میں حربی اور دار الحرب کے الفاظ آئے ہیں مطلق کافر اور دار الکفر کے الفاظ نہیں آئے۔

دوسری دلیل امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کے ثبوت میں یہ پیش کی گئی

---

[1] مسئلہ سود ضمیمہ نمبر ۳

ہے، بلکہ اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ "حربی کافر کا مال مسلمان کے لیے مباح ہے"
لیکن اس کی کوئی دلیل قرآن و سُنت میں نہیں ہے کہ حربی کافر کا مال مسلمان کے لیے
مطلقاً حلال ہے خواہ شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو یا غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا
گیا ہو۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ دار الحرب کے کفّار کی ملکیت معتبر ہے تو جب وہ
اپنے اموال کے مالک ہیں اور شریعت نے ان کی ملکیت تسلیم بھی کی ہے، تو اُن کی یہ
ملکیت مسلمان کی طرف اسی وقت منتقل ہو سکتی ہے جبکہ جائز ذرائع سے یہ انتقال ہوا
ہو۔ کافر کے مذہب میں اگر کوئی معاملہ جائز بھی ہو، مگر جب دینِ اسلام میں وہ جائز نہ
ہو تو کوئی مُسلمان اس ناجائز ذریعے سے حربی کے اموال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ ظاہر
ہے کہ عقدِ ربا اسلام میں حرام ہے تو اس عقد کے ذریعے حاصل کردہ مال بھی حرام
ہے۔ حربی کا جو مال مسلمانوں کے لیے قرآن و سُنت میں مباح اور حلال کیا گیا ہے وہ "مالِ
غنیمت" اور "مالِ فئی" ہے جو اسلامی حکومت کے اختیار میں دیا گیا ہے جسے وہ شرعی
طریقے پر تقسیم کرے گی اور مصارفِ فئی پر خرچ کرے گی۔ مالِ غنیمت جنگ کے
ذریعے حاصل ہوتا ہے جو جائز شرعی طریقہ ہے اور مالِ فئی صلح کے ذریعے حاصل ہوتا
ہے یا کفّار کے چلے جانے سے مسلمانوں کے قبضے میں آتا ہے۔ اور یہ بھی جائز شرعی طریقہ
ہے۔ اموالِ غنیمت کے بارے میں سورۃ الانفال میں احکام اور ہدایات دی گئی ہیں
اور تفصیلات احادیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور سُنّتِ خلفائے راشدینؓ میں بیان ہوئی
ہیں اور اموالِ فئی کے لیے سورۃ الحشر میں مصارف بیان ہوئے ہیں۔ ربا اور قمار یا دوسرے
غیر اسلامی معاہدوں کے ذریعے حربی کا جو مال مُسلمانوں کے قبضے میں آئے خواہ وہ مستامن
ہو یا دار الحرب کا شہری ہو اس کے مباح ہونے کی آخر دلیل کیا ہے؟ یہ نہ مالِ غنیمت
ہے نہ مالِ فئی ہے، نہ جنگل کی گھاس اور دریا کے پانی کی طرح ہے کہ کسی کی ملکیت
نہ ہو اور نہ کافر نے اسے تحفے اور ہدیے میں دیا ہے، بلکہ سودی معاہدے کے ذریعے حاصل

ہوا ہے۔ سود چونکہ کافر کے نزدیک جائز ہے، اس لیے وہ اس معاہدے پر راضی بھی ہے، لیکن مسلمان کے عقیدے اور مذہب میں تو حلال نہیں ہے، تو اس کے لیے آخر کس بنیاد پر مباح ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر عین حالتِ جنگ میں یہ سودی معاملہ دار الحرب کی حدود کے اندر ہوا ہو تو اسے مالِ غنیمت یا مالِ فیئ پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ تلاش کی جا سکتی ہے، مگر حالتِ امن میں دار الحرب کے اندر جا کر حربی سے سودی معاہدے کرنا اور اس غیر شرعی معاہدے کے ذریعے اس کا مال لینا تو کسی طرح بھی مالِ غنیمت یا مالِ فیئ سے مشابہت نہیں رکھتا، تاکہ اسے "مباح" قرار دیا جائے۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حربی کا مال فی نفسہٖ مباح ہے اور اس کی علت اس کا حربی ہونا ہے، تو پھر مبسوط اور دوسری کتابوں میں یہ شرط کیوں لگائی گئی ہے کہ یہ مال غدر، عہد شکنی، چوری، غصب اور رہزنی کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو ورنہ حرام ہوگا؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ غدر اور عہد شکنی اسلام میں حرام ہے تو جس طرح غدر حرام ہے اسی طرح ربا بھی حرام ہے۔ ایک فعلِ حرام کے ذریعے لیے گئے مال کو حرام کہنا اور دوسرے فعلِ حرام کے ذریعے حاصل کردہ مال، یعنی سود کو حلال طیّب کہنا تو کھلا تضاد ہے۔ یا تو یہ کہنا چاہیے کہ حربی کا مال فی نفسہٖ حلال ہے جس ذریعے سے بھی لیا جائے حلال ہوگا خواہ وہ ذریعہ اسلام میں جائز ہو مثلاً جہاد اور صلح۔ یا ناجائز ہو مثلاً غدر اور رہزنی، لیکن ایسا تو کسی نے نہیں کہا یا پھر یہ کہا جائے کہ حربی کا مال اگر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے مالِ غنیمت اور مالِ فیئ تو وہ حلال ہوگا۔ اور جب غیر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے غدر، رہزنی اور سودی معاملہ تو پھر حرام ہوگا۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابو بصیرؓ اور اس کے ساتھی مدینہ کی اسلامی ریاست کی حدود سے باہر دریا کے کنارے پر رہتے تھے اور قریشِ مکہ کے قافلوں کو لوٹتے تھے[1]۔ اس روایت کو اگر کوئی حربی مال کے مباح ہونے کی دلیل بناتا ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب رقم الحدیث ۲۵۸۱

تو پھر اسے یہ بھی جائز قرار دینا چاہیے کہ حربی کا مال غصب کرنا اور لوٹنا بھی جائز ہے اور مستأمن کے لیے دارالحرب میں حربی کفار کو قتل کرنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ بخاری کی اس روایت میں آیا ہے کہ "فقتلوهم واخذوا اموالهم" (انہیں بھی قتل کر دیتے تھے اور ان کے اموال بھی لے لیتے تھے) حالانکہ فقہاء میں سے دارالحرب میں امان لے کر جانے والے مسلمان کے لیے حربی۔ کے قتل کرنے کو اور اس کا مال لوٹنے کو کوئی بھی جائز نہ کہتا۔ نہ امام ابوحنیفہؒ اور نہ دوسرے آئمہؒ۔ اصل میں اس معاملے کا تعلق زیر بحث مسئلے سے نہیں ہے بلکہ یہ جنگ سے متعلق ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرط کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے پابند تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو واپس بھیج دیں، مگر مکہ کے مستضعفین و مظلومین اس معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ قریشِ مکہ ان پر ظلم کرتے تھے اس لیے ان مظلومین میں سے جو مکے سے نکل سکتے تھے وہ نکل کر دریا کے کنارے قریشِ مکہ کے تجارتی راستے پر جا کر بیٹھ جاتے اور ان کے قافلوں پر حملہ کرتے حقیقت میں ان کے درمیان اور کفارِ مکہ کے درمیان جنگ تھی اور جنگ کی حالت میں دشمن کو معاشی طور پر نقصان پہنچانا جنگ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان معاہدے کی وجہ سے ان کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مدینہ آنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تھے، یہاں تک کہ قریشِ مکہ نے خود تنگ آ کر یہ شرط ختم کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابوبصیرؓ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیجیے، چنانچہ فتح الباری میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حضرت ابوبصیر کو پہنچا تو خط ان کے ہاتھ میں تھا کہ فوت ہو گئے۔ ابوجندلؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ وہیں دفن کر دیے گئے اور باقی ساتھی مدینہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جو بھی مسلمان ہو جاتا تو مدینہ آ جاتا، کیونکہ واپس بھیجنے کی شرط قریش نے خود ختم کر دی تھی۔

صحیح بخاری کی اسی مذکورہ حدیث میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے بارے میں آیا

ہے کہ :

"وکان المغیرۃ صحب قوماً فی الجاھلیۃ فقتلھم واخذ اموالھم ثم جاء فاسلم فقال النبیؐ اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیئ"[1]

(مغیرہ بن شعبہؓ جاہلیت کے دور میں ایک گروہ کے ساتھ راستے میں جا رہا تھا تو اس نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا اسلام تو قبول ہے، لیکن اس مال سے میرا کچھ تعلق نہیں ہے)

فتح الباری میں ابنِ حجرؒ نے تفصیل دی ہے کہ یہ ساتھی تیرہ افراد تھے جو شاہ مقوقس سے ملنے گئے تھے۔ شاہ مصر نے باقی ساتھیوں کو تو بڑے بڑے تحفے دیے تھے، مگر مغیرہؓ بن شعبہ کو کچھ زیادہ قیمتی تحفے نہیں دیے تھے، چنانچہ مصر سے واپس آتے وقت راستے میں ایک جگہ اُس کے ساتھیوں نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور مدہوش پڑے تھے۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر مغیرہؓ نے ان سب کو قتل کر دیا اور مال لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ یہ فعل چونکہ کفر کی حالت میں کیا تھا اور اسے اسلام کا حکم معلوم نہیں تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزا بھی نہیں دی اور مال بھی دارالحرب کو واپس نہیں کیا، لیکن اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا۔ اس واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مال مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں مباح ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حربی کفار کا مال دارالحرب میں مسلمانوں کے لیے جائز ہے تو ابن الہمام حنفیؒ اور ابنِ عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا تقاضا تو

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد رقم الحدیث ۲۵۸۱

پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو، اس لیے کہ ان کا مال (سودی) اگر ہمارے لیے جائز بھی ہو اپنا مال (سود) تو ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوئے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے، مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کا مسلک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب"۔ [1]

ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کے غالب آجانے کی پیشین گوئی کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اُبی بن خلف کے ساتھ سو اونٹوں کی جو شرط لگائی تھی، یعنی جوئے کا معاملہ کیا تھا اس کو بھی دار الحرب میں عقودِ فاسدہ کے جواز کی دلیل بنایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؓ مکہ میں جو سودی کاروبار کرتے تھے اسے بھی دلیل قرار دیا گیا ہے اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ اپنے قرضوں کی مقدار میں کمی کر دو اور وقت سے پہلے لے لو۔ اس کو بھی جوازِ ربا فی دار الحرب، کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ [2]

لیکن ان تینوں دلائل پر میرا تبصرہ عدالت کے سود کے خاتمے کے بارے میں فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اس لیے یہاں ان دلائل پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چھٹی دلیل امام محمدؒ اور سرخسیؒ نے اس طرح پیش فرمائی ہے کہ :

"واستدل بمصارعة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن رکانه
کان بمکة ثلاث مرات فی کل مرة بثلث غنمه ولو کان مکروها"

---

[1] فتح القدیر ص۳۹ جلد ۷ باب الربا، رد المحتار ص ۲۶۰، ۲۶۱ جلد ۴

[2] السیر الکبیر للامام محمدؒ مع شرح للسرخسیؒ ص ۱۴۱۱، ۱۴۱۲ و ۱۴۱۸ جلد ۴ والمبسوط للسرخسیؒ ص۵۷ جلد ۱۴

ما فعله رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم لما صرعه فی المرۃ الثالثۃ قال ما وضع احدٌ جنبی قط وما انت صرعتنی فرد رسول الله صلی الله علیه وسلم الغنم علیه" ؎۱

(دار الحرب میں عقودِ فاسدہ اور حربی کے مال کے مباح ہونے کے لیے یہ واقعہ بھی دلیل بن سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں رکانہ کے بیٹے بلکہ ؎۲ کو تین مرتبہ کشتی میں شکست دی تھی اور ہر مرتبہ ابن رکانہ کی بھیڑ بکریوں کے ایک تہائی حصّے ⅓ کی شرط لگائی گئی تھی۔ اگر یہ شرط لگانا (جو جوا ہے) مکروہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام نہ کرتے۔ پھر جب تیسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑا تو اس نے کہا مجھے اب تک کسی نے نہیں گرایا، دراصل آپ نے مجھے نہیں گرایا (بلکہ یہ کہ آپ کی مدد کی گئی ہے) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھیڑ بکریاں اسے واپس لوٹا دیں)

اس واقعے پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ مقابلے میں شرط لگانا اور بازی لگانا جوا (قمار) ہے، لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقابلے میں شرکت کی اس لیے کہ ابنِ رکانہ حربی کافر تھا ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اور حربی کا مال عقودِ فاسدہ کے ذریعے جائز ہے اور یہ مقابلہ مکّہ مکرمہ میں ہوا تھا جو دار الحرب تھا۔ یہ ہے وہ استدلال جسے میں مذکورہ بالا عبارت سے سمجھ سکا ہوں، مگر اس واقعے پر کئی وجوہ

؎۱ السیر الکبیر مع الشرح ص ۱۴۱۱، ۱۴۱۲ جلد ۴ والمبسوط للسرخسی ص۵۶ جلد ۱۴ باب الصرف فی دار الحرب

؎۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کے بیٹے کو نہیں، بلکہ رکانہ کو دو بار شکست دی۔ رکانہ کا نام اس طرح ہے، رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف۔ نیز یہ کہ ابنِ ہشام نے شرط لگانے کا ذکر نہیں کیا۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص۲۹۵۔ ترجمہ طبع لاہور (ادارہ)

سے استدلال درست نہیں ہے:

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مقابلے میں جب ایک جانب سے مال کی شرط لگائی گئی ہو اور دوسری جانب سے کوئی چیز داؤ پر نہ لگائی گئی ہو تو یہ صورت قمار اور جوئے کی نہیں ہے، بلکہ جائز ہے تو اسے دارالحرب میں جوا کھیلنے کے جواز کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ سیر کبیر اور مبسوط میں تصریح ہے کہ یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور کوئی تفصیل نہیں دی گئی کہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے یا فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اگر قبل از ہجرت کا واقعہ ہے تو اس وقت جوئے، شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ اگر اس کو جوا سمجھ بھی لیا جائے پھر بھی یہ واقعہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، لیکن اگر فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے تو اس وقت مکہ دارالاسلام بن چکا تھا۔ اور دارالاسلام میں تو کافر کے ساتھ جوا کھیلنا بالاتفاق حرام ہے۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ مقابلہ مکہ میں فتح مکہ سے قبل اور ہجرت کے بعد اس درمیانی دور میں ہوا ہو، جبکہ جوئے کی حرمت کی آیت نازل ہوچکی تھی مگر اس درمیانی مدت میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو مرتبہ مکہ تشریف لائے تھے۔ ایک مرتبہ عمرۃ الحدیبیہ کے سال ۶ھ میں اور دوسری مرتبہ عمرۃ القضاء کے لیے ۷ھ میں۔ ان دونوں اسفار کی مکمل روداد بخاری و مسلم اور سیرت و حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی اس مقابلے کا ذکر نہیں ہوا۔

(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ بھیڑ بکریاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کردی تھیں، یعنی اس کے پاس ہی رہنے دی تھیں۔ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لگائی تھی، بلکہ ابن رکانہ نے ازخود

لگادی تھی، مگر بکریاں پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول نہیں کی تھیں۔
آخر اس مقابلے کو دار الحرب میں حربی کافر کے ساتھ جوا کھیلنے کی دلیل کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟ میں اسے نہیں سمجھ سکا۔

(د) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے جسے رفع کرنا بہت مشکل ہے۔

السیر الکبیر کی مذکورہ روایت میں اور ابن حجر نے خطیب بغدادی کی "المؤتلف" کے حوالے سے ابن عباس رض کی جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت رکانہ کے بیٹے یزید نے دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اُسے پچھاڑ دیا تھا۔ اس نے ہر مرتبہ سو سو بکریوں کی شرط لگائی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں اسے واپس لوٹا دی تھیں۔ مقابلہ ہارنے کے وقت ہی وہ مسلمان ہوگئے تھے اور صحابی تھے [۱]

امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں، امام ابوداؤدؒ نے سنن میں، امام ترمذیؒ نے اور امام حاکمؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ آتے ہیں:

"اِنَّ رُکانۃ صارع النبیّ فصرعہ النبیّ" [۲]

(رکانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پچھاڑ دیا تھا)

---

[۱] الاصابہ لابن حجر صـ۶۵۵ جلد ۲ ترجمہ نمبر ۹۲۵۹

[۲] التاریخ الکبیر للامام البخاری طبع بیروت القسم الاوّل ص ۳۳۷، ۳۳۸ جلد ۳ ترجمہ نمبر ۱۱۴۶

سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب العمائم رقم الحدیث ۴۰۷۸

سنن ترمذی کتاب اللباس باب العمائم علی القلانس باب نمبر ۴۱ حدیث نمبر ۱۸۴۴

تحفۃ الاحوذی صـ۴۸۲ جلد ۵، المستدرک للحاکم صـ۴۵۲ جلد ۳

اس روایت میں نہ بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ہوا ہے اور نہ مقابلے کی جگہ کا ذکر ہوا ہے۔ البتہ ابنِ حجرؒ نے البلاذری کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ:

"قدِم رکانہ من سفر فاخبر خبر النبیؐ فلقیہ فی بعض جبال مکۃ فقال یا ابن اخی بلغنی عنک شیئٌ فان صرعتنی علمتُ انک صادق فصارعہ فصرعہ النبیؐ واسلم رکانہ فی الفتح وقیل انہ اسلم عقب مصارعتہ"[1]

(رکانہ سفر سے واپس آئے تو انہیں نبیؐ کی خبر دی گئی۔ یہ آپ سے مکہ کے ایک پہاڑ میں ملے اور کہا اے بھتیجے! مجھے تیرے بارے میں ایک خبر ملی ہے۔ پس اگر تُو نے مجھے کشتی میں پچھاڑ دیا تو میں سمجھ لوں گا کہ تُو نبیؐ ہے چنانچہ اُس نے نبیؐ کو کشتی لڑنے کی دعوت دی اور نبیؐ نے اُسے گرا دیا۔ رکانہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ کشتی لڑنے کے موقع پر ہی مسلمان ہو گئے تھے۔)

ابنِ حجرؒ کی اس روایت میں یہ تو آیا ہے کہ مقابلہ مکہ کے کسی پہاڑ میں ہوا تھا، مگر شرط لگانے کا ذکر اس میں بھی نہیں ہے۔ زیادہ مشہور روایت یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُکانہ سے کشتی لڑی تھی اور اسے شکست دی تھی، مگر بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ان روایات میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ راوی نے اختصار سے کام لے کر بکریوں کی بازی لگانے والا حصہ حدیث سے حذف کر دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرط لگانے کا واقعہ یزید بن رُکانہ سے متعلق ہو رُکانہ سے متعلق نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کشتی لڑی ہو۔

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ صفحہ ۵۲ جلد ۱ ترجمہ نمبر ۲۶۸۹

لیکن امام ابونعیمؒ اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) نے رکانہؓ کے ساتھ کشتی لڑنے کی جو طویل روایت ابوامامہؓ سے نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ مدینہ کی وادی اِضم میں ہوا تھا۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے:

(ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رُکانہ سب سے زیادہ طاقتور اور پہلوان شخص تھا۔ یہ ایک وادی میں بھیڑ بکریاں چراتا تھا جس کا نام اِضم تھا۔ نبی کریم ایک روز عائشہؓ کے گھر سے نکل کر اس وادی میں تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ رُکانہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہو وہ شخص جو ہمارے خداؤں لات و عزیٰ کو گالی دیتے ہو؟ اگر میرا تمہارے ساتھ رشتہ نہ ہوتا تو مَیں تمہیں بات کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیتا۔ تم اب اپنے خدا کو پکارو جو تم کو مجھ سے چھڑا دے۔ مَیں تمہیں کُشتی لڑنے کا چیلنج دیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ کُشتی کا مقابلہ کرو اور اپنے خدا کو پکارو جو تمہاری مدد کرے اور مَیں لات و عزیٰ کو پکاروں گا، اگر تم نے مجھے گرا دیا تو اپنی بھیڑ بکریوں میں سے دس بکریاں تمہیں دے دوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تُو یہی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے مدد مانگی اور کشتی لڑنا شروع کر دی۔ رُکانہ نے لات و عزیٰ کو پکارا، مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے گرا دیا اور اُس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ رُکانہ نے کہا یہ مقابلہ تم نے نہیں جیتا بلکہ تمہارے خدا نے یہ کام کیا ہے اور لات و عزیٰ میری مدد کو نہیں پہنچ سکے۔ دوبارہ مقابلہ کرو، اگر جیت گئے تو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ دوبارہ پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرا دیا۔ اس نے کہا تیسری بار مقابلہ کرو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ مگر تیسری بار بھی وہ شکست کھا گیا۔ رُکانہ نے کہا لے جاؤ یہ تیس بکریاں۔ میرے خدا لات و عزیٰ نے میری مدد نہیں کی اور تمہارے خدا نے مدد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ تُو اسلام قبول

کرلے۔ اسلام لے آتا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتے۔ رکانہ نے کہا نہیں جب تک تم مجھے کوئی نشانی نہیں دکھاؤ گے مَیں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک درخت کو اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر آپؐ کے پاس آگیا۔ رکانہ نے کہا کہ تم نے بہت بڑی نشانی دکھائی ہے۔ اب اس درخت سے کہو کہ واپس اپنی جگہ پر چلا جائے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر فرمایا "اسلم تسلم" مسلمان ہو جاؤ اور اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ۔ رکانہ نے کہا مَیں نے واقعی آپؐ کے صدق کی بڑی نشانی دیکھی ہے، لیکن مَیں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ مدینہ کی عورتیں اور بچے ایک دوسرے سے کہیں کہ رکانہ نے تجھ سے (رسُولؐ اللہ سے) مرعوب ہو کر اسلام قبول کیا ہے، حالانکہ مدینہ کی عورتیں اور بچے جانتے ہیں کہ مجھے آج تک کسی نے کشتی میں نہیں گرایا اور نہ میرے دل میں ایک لمحے کے لیے کسی کا رُعب پڑا ہے۔ بس تم اپنی یہ تیس بکریاں لے کر چلے جاؤ۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مجھے تیری بکریوں کی ضرورت نہیں ہے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ سامنے سے ابوبکرؓ اور عمرؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر آکر پُوچھا تھا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ وادی اِضَم کی طرف نکل گئے ہیں۔ یہ دونوں جانتے تھے کہ یہ تو رکانہ کی وادی ہے۔ آپؐ کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا آپ اکیلے ادھر کیسے تشریف لے گئے تھے؟ آپ تو جانتے ہیں کہ ادھر رکانہ رہتا ہے جو بہت زیادہ طاقتور اور پہلوان ہے اور آپ کی مخالفت میں بھی سخت ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" (اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا) رکانہ مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا، اس لیے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔

———— اس کے بعد آپؐ نے ان کو سارا قصہ سنایا۔ اُنھوں نے حیران ہو کر پوچھا یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیا آپؐ نے رُکانہ کو کشتی میں گرا دیا ہے؟ اس کو تو آج تک کسی نے نہیں گرایا؟ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مَیں نے اپنے اللہ کو پکارا اور اُس نے میری مدد فرمائی۔[1]

اس روایت میں جس وادی اِضَمْ کا ذکر آیا ہے اُس کے بارے میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ کے قریب مدینہ ہی کی حدود میں ایک وادی کا نام ہے۔[2]
اِضم مختلف جگہوں کے نام تھے، مگر اس روایت میں صریحی طور پر "عائشہ کے گھر" اور مدینہ کا نام آیا ہے، اس لیے یہاں مدینہ ہی کی وادی مراد ہے۔ اس روایت سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشتی کا یہ مقابلہ مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ تو دارالاسلام بن گیا تھا جس میں قمار اور ربا بالاتفاق حرام ہیں، اگرچہ یہ قمار کی صُورت بھی نہیں تھی۔
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ مقابلہ مکّہ مکرمہ میں ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ مقابلہ رُکانہ سے ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مقابلہ رکانہ کے بیٹے یزید کے ساتھ ہوا تھا۔ بعض روایات میں بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر آیا ہے اور بعض میں اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ آخر ایسی مضطرب المتن حدیث کو نصوصِ صریحہ کے مقابلے میں کس طرح دلیل بنایا جا سکتا ہے، جبکہ اس میں ذکر کردہ صورت جوئے اور قمار کی تعریف میں آتی بھی نہیں ہے۔

---

[1] دلائل النبوۃ از ابو نعیمؒ اصفہانی ص ۳۹۵ تا ۳۹۷ جلد ۲ فصل تاسع طبع بیروت ۱۹۸۶ء

[2] معجم البلدان للحموی ۱۳۷۶ھ ص ۲۱۴ جلد ۱ مادہ اضم

یہ ہیں وہ چھ دلائل جن کو دارالحرب میں سود کے جواز میں پیش کیا گیا ہے اور مذکورہ تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان چھ دلائل میں سے ایک بھی دلیل نہیں بن سکتی اور صحیح مسلک آئمہ ثلاثہ اور ابو یوسفؒ کا یہی ہے کہ سود دارالحرب میں بھی حرام ہے اور دارالاسلام میں بھی حرام ہے۔

علمائے دیوبند کا فتویٰ

ابن الہمام حنفیؒ اور ابنِ عابدین شامی حنفیؒ کا حوالہ دیا جا چکا ہے کہ ان کو دار الحرب میں جوازِ ربا پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے، بالخصوص حربی کافر کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمام بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

علماءِ دیوبند کے بعض ممتاز علماء نے جو حنفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دار الحرب میں بھی سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے جو شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کا مسلک بھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دار الحرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"کفار سے بھی سود لینا درست نہیں ہے۔" [1]

۲۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

حنفی ہونے کے باوجود حضرت تھانویؒ نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دار الحرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ طبع لاہور ص ۴۱۰ و ۴۱۳

[2] امداد الفتاویٰ طبع کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۱۵۵ تا ۱۶۰ جلد ۳

۳۔ مفتی عزیز الرحمٰن :

دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن کا فتویٰ بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے کو انہوں نے بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی سے نقل کیا ہے۔[۱]

۴۔ مفتی کفایت اللہ :

مفتی کفایت اللہ اگرچہ دارالحرب کی حدود کے اندر غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں، مگر حربی کفار کو سود دینا انہوں نے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔[۲]

۵۔ مولانا مودودیؒ نے بھی دارالحرب میں سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔[۳]

(ب) سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے :

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سود صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام نہیں ہے، بلکہ اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی حرام ہے، تو اب ہمیں تنقیح طلب امور میں سے اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے ؟ اور کیا شریعت ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے ؟ خواہ یہ معاہدے مسلمان حکومتوں کے ساتھ ہوئے ہوں یا غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ ہوئے ہوں۔ افراد کے درمیان ہوئے ہوں یا اداروں کے درمیان ہوئے ہوں۔ ملک کے اندر ہوئے ہوں یا بین الاقوامی معاہدے ہوں۔ جب ہم اس سوال کا جواب قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر روزِ روشن کی طرح

---

[۱] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاویٰ طبع کراچی باب السلم والربا ص ۶۶۵، ۶۶۶ جلد ۶

[۲] کفایت المفتی طبع ملتان ص ۶۹-۷۱ جلد ۸

[۳] "سود" از مولانا مودودیؒ

ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی کرکے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا عہد توڑ کر معاہدے کرنا حرام ہے اور ایسے معاہدوں کا پورا کرنا بھی حرام ہے۔ یہ درست ہے کہ قرآن وسنت میں ایفائے عہد کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور وعدہ خلافی وعہد شکنی منافق کی نشانی ہے اور مباحات وعُرفیات میں معاہدوں پر فیصلوں کا دارومدار بھی ہوتا ہے، لیکن سب سے بڑا عہد ہر مومن نے اپنے خدا اور اپنے رسولؐ کے ساتھ کیا ہے، بلکہ ایمان تو نام ہی عہد اطاعت خدا ورسولؐ کا ہے۔ خالق ومالک کے ساتھ جو عہدِ اطاعت کیا گیا ہے اُسے توڑ کر مخلوق کے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرنا آخر کس عقلی اور شرعی اصول پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبر واکراہ کی صورت یا اضطرار کی صورت کا حکم تو الگ ہے، لیکن بغیر جبر واکراہ کے اور بغیر کسی اضطراری حالت کے اللہ اور رسولؐ کے احکام کی مخالفت کرکے معصیت کے معاہدے کرنا اور پھر ان کو پورا کرنا تقاضائے ایمان نہیں ہے۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی چند آیات بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں ان پر غور فرمایئے:

"وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ" (البقرۃ ۲- آیت ۴۰)

(اور تم میری اطاعت کا عہد پورا کرو میں تمہیں اجر دینے کا عہد پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو)

"اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ" (البقرۃ ۲- آیت ۲۷)

(فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں اس کو مضبوط باندھنے کے بعد)

"وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ" (النحل ۱۶- آیت ۹۱)

(اور اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرو جب کہ تم یہ عہد کرچکے ہو)

"اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ" (الرعد ۱۳- آیت ۲۵)

(دانشمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرتے ہیں اور اس مضبوط عہد کو توڑتے نہیں ہیں)

"وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ" (الرعد ۱۳- آیت ۲۵)

(اور لعنت ہے ان پر اللہ کی جو اطاعت کا عہد توڑتے ہیں اس کے مضبوط باندھنے کے باوجود)

"وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا" (النحل ۱۶- آیت ۹۵)

(اور اللہ کی اطاعت کا عہد توڑنے کے بدلے تھوڑا بدلہ نہ لو) (ساری دُنیا قلیل ہے)

کسی بات پر اگر عام عہد ہی نہ کیا گیا ہو، بلکہ اس پر قسم بھی اٹھائی گئی ہو پھر بھی اگر وہ کام بِرّ و تقویٰ کے خلاف ہو تو اس قسم کو پورا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے توڑنا واجب ہے۔ جاہلیت میں ایک جاہلانہ رواج یہ تھا کہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ دیتے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا اور تقویٰ کا نہیں کریں گے اور پھر اگر کوئی کہتا کہ نیکی کا یہ کام کرو تو کہہ دیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں۔ اسی طرح کسی گناہ کے کرنے کی قسم کھا لیتے۔ اگر کوئی کہتا کہ گناہ کا یہ کام نہ کرو تو کہہ دیتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں کہ یہ کام کریں گے۔ اس جاہلی دستور کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

"وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" (البقرۃ ۲- آیت ۲۲۴)

(اور نہ بناؤ اللہ کے نام کو رکاوٹ اپنی قسموں کے ذریعے نیکی کرنے سے۔ تقویٰ و پرہیزگاری سے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

قسم پورا کرنے کی تاکید عام عہد کے ایفاء سے زیادہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

"وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ" (المائدہ ۵-۸۹) (اپنی قسموں کی حفاظت کرو) یعنی انہیں نہ توڑو، بلکہ پورا کرو۔ باوجود اس کے مذکورہ بالا آیت میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ ہند تقویٰ کے کام کرنے کے راستے میں اللہ کے نام پر کھائی گئی قسم کو رکاوٹ نہ بناؤ، یعنی اس قسم کو توڑ ڈالو اور پڑو تقویٰ کے کام کرو۔

ظاہر ہے کہ سود کھانا اور کھلانا گناہ ہے اور موجبِ لعنت ہے تو اس کی ادائیگی کا عہد اگر قسم کے ساتھ بھی کیا گیا ہو پھر بھی اسے توڑنا نیکی اور تقویٰ ہے۔ پورا کرنا تو تقویٰ نہیں ہے۔

"عن عبد الرحمٰن بن سمرۃؓ قال لی النبیؐ یا عبد الرحمٰن بن سمرۃؓ ..... واذا حلفتَ علیٰ یمین فرأیت غیرہا خیراً منہا فکفر عن یمینک واْتِ الذی ھو خیر" [1]

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تم کسی کام کی قسم اٹھا لو اور اس کے خلاف کام کرنا تمہیں بہتر نظر آئے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور وہی کام کرو جو بہتر ہو)

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... ومن حلف علیٰ یمینٍ فرایٰ غیرہا خیراً منہا فلیدعہا والیأت الذی ھو خیرٌ فان ترکہا کفارتہا" [2]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کام کی قسم کھائی ہو، لیکن اس کے خلاف کام کرنا اسے بہتر نظر آئے تو اس کام کو چھوڑ دے اور

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب من لم یسأل الامارۃ اعانہ اللہ علیہا۔ وفی الایمان ایضاً

[2] سنن ابوداؤد کتاب الایمان۔

وہ کام کرے جو بہتر ہو، اس لیے کہ ایسے کام (جو بہتر نہ ہو) کو نہ کرنا اس کا کفارہ ہے۔)

سود دینے کا معاہدہ ظاہر ہے کہ تقویٰ کے خلاف ہے جسے پورا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے توڑنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں حدیث بریرہؓ قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بریرہؓ نے موالی سے کہا تھا کہ اگر عائشہؓ تمہیں قیمتاً خرید کر آزاد کرنا چاہتی ہیں تو کرلیں مگر ولا (میراث) کا حق ہمیں حاصل ہوگا۔ یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف تھی کہ "انما الولاء لمن اعتق" (میراث اس کا حق ہے جس نے آزاد کیا ہو) اس غیر شرعی شرط کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"فصعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فقال مابال اقوام یشترطون شروطاً لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ وان اشترط مائۃ مرۃ" [1]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا کیا بری حالت ہے ان لوگوں کی جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب (شریعت) میں جائز نہیں ہیں۔ جس نے بھی کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب (شریعت) میں جائز نہ ہو تو اس کی یہ شرط پوری نہیں کی جائے گی اگرچہ اُس نے سو مرتبہ لگائی ہو)

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں ۲۰ مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ابواب المساجد باب ذکر البیع والشراء علی المنبر فی المسجد۔ رقم الحدیث ۴۴۴۔ دوسرے ارقام یہ ہیں:

۱۴۲۲ - ۲۰۴۷ - ۲۰۶۰ - ۲۳۹۹ - ۲۴۲۱ - ۲۴۲۲ - ۲۴۲۴ - ۲۴۲۶ - ۲۴۳۹ - ۲۵۶۸ -

۲۵۷۶ - ۲۵۷۹ - ۲۵۸۴ - ۴۹۸۰ - ۶۳۳۹ - ۶۳۷۰ - ۶۳۷۲ - ۶۳۷۷ - ۶۳۷۹

قرض پر سود ادا کرنے کی شرط ظاہر ہے کہ اللہ کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس لیے سودی شرائط کے ساتھ جو معاہدے بھی کیے گئے ہوں یا کیے جائیں تو ان کو پورا کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اصل راس المال واپس کرنا لازم ہوگا اور سود کی شرط کالعدم ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ کی کتاب میں جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے:

"کُلُّ شرطٍ خالف کتاب اللہ فھو باطلٌ وان اشترط مائۃ شرطٍ" [1]

(جو شرط اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہوگی اگرچہ سو شرطیں لگائی ہوں)

اس قول سے حضرت عمرؓ کے دوسرے قول کی تشریح ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے:

"مقاطع الحقوق عند الشروط ولکنّ ما شرطت" [2]

(حقوق کا فیصلہ شرطیں پوری کرنے پر ہوگا اور جو شرط تُو نے لگائی ہے وہ تیرا حق ہے)

اس سے مراد حضرت عمرؓ کی وہ شرطیں ہیں جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

مذکورہ شرعی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ جو سودی معاہدے پہلے سے کیے گئے ہیں وہ از روئے شریعت سود کی ادائیگی یا وصولی کی حد تک کالعدم ہیں اور ان پر عملدرآمد کرنا

---

[1] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی المہر

[2] بخاری کتاب الشروط مایجوز من الاشتراط

امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ "المسلمون علیٰ شروطھم الا شرطاً حرّم حلالاً او احل حراماً" (طبع کراچی ص۲۵۱) یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں سوائے کسی ایسی شرط کے جو کسی حرام چیز کو حلال اور حلال چیز کو حرام ٹھہراتی ہو۔" (گوہر رحمان)

خلافِ اسلام ہے اور آئندہ کے لیے سود یا دوسری غیر اسلامی شرائط پر معاہدے کرنا ممنوع ہے۔ عدالت کو شرعاً یہ حق حاصل ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ قرآن و سُنت کے خلاف معاہدے کرنے سے حکومت، اداروں اور افراد سب کو روک دے۔

وفاقی شرعی عدالت بھی قانونِ معاہدہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۲۳ کے بارے میں ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو فیصلہ دے چکی ہے کہ دفعہ ۲۳ میں اس معاہدے کو بھی کالعدم قرار دیا جائے جو قرآن کریم اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کی رُو سے ممنوع ہو۔ اور سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے بھی دفعہ ۲۳ کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے حکم کی توثیق کی ہے۔ یہ فیصلہ زیرِ بحث مسئلے میں بھی نظیر بن سکتا ہے، اس لیے کہ سود دینے یا لینے کا معاہدہ بھی قرآن و سُنّت کے خلاف ہے، لہٰذا کالعدم ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری کتاب الصلح میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان یہ ہے:

"بابٌ اذا اصطلحوا علی جورٍ فھو مردود" یعنی باب ہے اس بارے میں کہ جب فریقین خلافِ شریعت شرائط پر صُلح کرلیں تو یہ معاہدہ کالعدم ہوگا۔ امام بخاریؒ نے اس مصالحت و معاہدے کے کالعدم ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

"ایک شخص کے ملازم نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تھا۔ زانی کے والد نے سَو بکریوں اور ایک لونڈی کے بدلے میں صُلح کروالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے اس مصالحت کو کالعدم قرار دے دیا۔ بکریاں اور لونڈی زانی کے والد کو واپس دلوادی۔ زانی کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال تک جلاوطن کر دیا اور مزینہ کو جو (شادی شدہ تھی) رجم کروادیا۔" [1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جورٍ فھو مردود۔ رقم الحدیث ۲۱۹۰

مصالحت بھی معاہدہ ہوتا ہے۔ زنا چونکہ قابلِ راضی نامہ نہیں ہے اس لیے یہ صلح اور معاہدہ شریعت کے حکم یعنی حدِ زنا کے خلاف تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کالعدم قرار دے دیا۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو غیر شرعی معاہدے کے مردود ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ سودی معاہدوں کا خلافِ شریعت ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہے۔ درج بالا حدیث میں بیان کردہ "صلح جور" اس کی نظیر بن سکتی ہے۔ یہ ایک واضح مسئلہ ہے، لیکن چونکہ کچھ لوگ یہ مغالطہ انگیزی کرتے ہیں کہ ہم معاہدے کر چکے ہیں، اس لیے سود ادا کرنا ایفائے عہد کی وجہ سے ہم پر شرعاً لازم ہے، تو اس وجہ سے مَیں نے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس نکتے کی وضاحت ضروری سمجھی کہ غیر اسلامی معاہدے کالعدم متصوّر ہوتے ہیں اور ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

کیا بین الاقوامی سودی معاہدے "نظریۂ ضرورت" کے تحت جائز ہیں؟

جب شرعی اور قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سودی معاہدے کالعدم ہیں، ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی بھی شرعاً جائز نہیں ہے، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "الضرورات تبیح المحظورات" اور "الضرورۃ تجلبُ التیسیر" کے شرعی قواعد کے تحت مجبوری کی وجہ سے بین الاقوامی سودی معاہدوں کی اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے پہلے نظریۂ ضرورت کے ان قواعد کی تشریح کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سودی لین دین پر ان قواعد کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مذکورہ دو قاعدوں کا مفہوم ایک ہی ہے جو یہ ہے کہ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو حلال کر دیتی ہیں اور ضرورت پوری کرنے کے لیے شریعت کے احکام میں آسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس شرعی قاعدے کا ماخذ درج ذیل آیات اور کچھ احادیث ہیں:

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

(البقرۃ ۲ - آیت ۱۷۳)

(بے شک اللہ نے تو تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو۔ پس جو شخص ان کے کھانے پر مجبور ہو جائے اس حال میں کہ نافرمانی کرنے والا بھی نہ ہو اور حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا بھی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے)

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ ۳)

(پس جو کوئی بھوک کی شدت کی حالت میں حرام کھانے پر مجبور ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو (واقعی مجبور ہو) تو اللہ اُسے بخشنے والا ہے اور مہربان ہے)

اسی مضمون کی تین آیتیں اور بھی ہیں۔ (الانعام ۶ - ۱۱۹، ۱۴۵ - النحل ۱۶ - ۱۱۵)

ان پانچ آیات میں اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ لفظ اضطرار کا مادہ ضرر ہے اور اس کے معنی ہیں کسی چیز کے استعمال پر یا کسی کام کے کرنے پر اس طرح مجبور ہو جانا کہ کوئی دوسرا راستہ اور طریقہ اس سے بچنے کا نظر نہ آتا ہو۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً:

"وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ" (الحج ۲۲-۱۳)

(اور جس نے انکار کیا ہو اُسے تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچا دیں گے (دنیا کی زندگی میں) اور پھر ہم اسے مجبور کر دیں گے دوزخ میں جانے پر)

"نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ" (لقمان ۳۱-۲۴)

(فائدہ پہنچادیں گے ہم ان کو تھوڑی مدت تک اور پھر مجبور کر دیں گے ان کو شدید عذاب میں چلے جانے پر)

ان دونوں آیتوں میں لفظ اضطرار شدید مجبوری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ دوزخ میں چلے جانے سے ان کو کوئی تدبیر نہیں بچا سکے گی اور کوئی راستہ اور طریقہ اس سے بچنے کا ان کو نظر نہیں آئے گا۔ اس نوع کی مجبوری، مشقت اور بے قراری کا نام اضطرار ہے۔

عربی لغت کے ماہرین نے لکھا ہے کہ قد اضطُرَّ الی الشئ کے معنی ہیں اُلجِئَ الیہ، [1] یعنی " فلاں شخص اس چیز پر مجبور کر دیا گیا ہے یا مجبور ہو گیا ہے"۔

غیر باغ کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ارادہ نافرمانی اور حکم الٰہی سے بغاوت کا نہ ہو، بلکہ ضرورت واقعی اور حقیقی ہو، یہ نہیں کہ کسی کے دل میں شریعت کے احکام کا احترام ہی نہ ہو اور وہ حرام چیزوں سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہو اور "ولا عادٍ" کے معنی یہ ہیں کہ حدِ ضرورت سے تجاوز نہ کرتا ہو، یعنی شدید مجبوری اور واقعی ضرورت کے بغیر حرام کا ارتکاب کرنا بغاوت ہے اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ استعمال کرنا عُدوان ہے[2] سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں فی مخمصۃ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں:

" الجُوعُ وخلاء البطن من الطعام" [3]

(شدید بھوک اور پیٹ کا خوراک سے خالی ہو جانا)

اُردو زبان میں تو لفظ ضرورت اور حاجت دونوں ایک ہی معنے میں استعمال ہوتے

---

[1] لسان العرب از ابن منظور افریقی صفحہ ۴۸۳ جلد ۴ مادہ ضرر و قاموس صفحہ ۵۵ مادہ ضرر۔

[2] تفسیر قرطبی سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳

[3] تفسیر قرطبی و تفسیر کبیر سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳

ہیں، لیکن عربی زبان میں ضرورت مطلق حاجت کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ اضطرار کے معنی میں آتا ہے۔ فقہاءِ کرام نے درج بالا وجوہات کی روشنی میں ضرورت کی قانونی تعریف اس طرح کی ہے:

"فالضرورۃ بلوغہ حدًا ان لم یتناول الممنوع ھلک او قارب و ھذا ابیح تناول الحرام" [1]

(ضرورت کسی کا ایسی حد کو پہنچ جانا ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کا استعمال نہ کرے تو مر جائے گا یا موت کے قریب ہو جائے گا۔ ایسی ضرورت کے وقت حرام کا ارتکاب مباح ہو جاتا ہے)

"والحاجۃ کالجائع الذی لو لم یجد ما یاکلہ لم یھلک غیر انہ یکون فی جھدٍ و مشقّۃٍ وھذا لا یبیح الحرام" [2]

"اور حاجت یہ ہے کہ جیسے وہ بھوکا شخص جسے اگر کھانے کو کچھ نہ مل سکے تو مرے گا نہیں، البتہ سخت تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس حالت میں حرام چیز اُس کے لیے مباح نہیں ہو گی (لیکن روزہ توڑنا جائز ہو گا)"

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ضرورت اس حالت کا نام ہے کہ اگر حرام کا ارتکاب بقدرِ سدِ رمق نہ کرے تو مرنے کا شدید خطرہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو یا قریب الموت حالت سے دوچار ہو۔ اس کو ضرورت واضطرار کہا جاتا ہے جو حرام کو حلال بنا دیتی ہے بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت۔ اور حاجت صرف تکلیف و مشقت کا نام ہے جو قابلِ برداشت ہو۔ یہ حرام کو حلال نہیں ٹھہرا سکتی۔

---

[1] شرح الاشباہ والنظائر الحموی متوفی ۱۰۹۸ھ طبع کراچی ص۱۱۹ جلد ۱

[2] شرح الاشباہ ص۱۱۹ جلد ۱

انسان کی احتیاج کا ایک تیسرا مرتبہ ہے جس کو فقہاء نے منفعت کا نام دیا ہے:

"والمنفعۃ کالذی یشتھی خبز البرّ ولحم الغنم والطعام الدّسِم" [1]

(منفعت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو گندم کی روٹی، بکرے کے گوشت اور مرغن کھانے کا شوق ہے)

یعنی اگر کوئی شخص حرام کا ارتکاب نہ کرے تو نہ اس کے مرنے کا خطرہ ہے اور نہ اسے کسی شدید تکلیف و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، البتہ وہ مزید فائدہ اور قوۃ حاصل نہیں ہوتی جو حرام کھانے سے بظاہر حاصل ہوتی ہے، مثلاً اسے پیٹ بھر کر کھانے کے لیے جَو کی روٹی اور عام قسم کا سالن میسر ہے، مگر اسے گندم کی روٹی اور بکرے کے گوشت کا سالن کھانے کا شوق ہے تاکہ اس کی قوت میں اضافہ ہو، گو یہ ایک جائز خواہش ہے جسے جائز ذرائع سے پوری کر سکتا ہے، مگر اس خواہش کی تکمیل کے لیے حرام ذریعہ استعمال نہیں کر سکتا اور اس حالت میں شرعی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

چوتھا مرتبہ ہے "زینت" کا یعنی ظاہری سجاوٹ و آرائش کا کہ اس سے کوئی حقیقی فائدہ اور منفعت بھی حاصل نہیں ہوتی، ظاہر ہے اس کے لیے تو حرام کے حلال ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ [2]

اور پانچواں مرتبہ ہے "فضول" کا، یعنی سامانِ تعیش جس میں ممنوع چیزوں کا استعمال بھی شامل ہے اور اسراف و تبذیر کی تمام صورتیں بھی فضول میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ فضول خرچی اور اسراف و تبذیر بجائے خود ممنوع ہیں۔ ان کے لیے تو حلال مال کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ [3]

---

[1] الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی ص ۱۱۹ جلد ۱

[2] ایضاً

[3] ایضاً

ان پانچ مراتب میں سے ضرورت واضطرار کی صورتِ حال تو الحمدللہ پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ ہمارا مُلک اگرچہ غریب ہے۔ ترقی یافتہ اور آسودہ حال نہیں ہے، لیکن ہم پر قومی بھوک کی وہ حالت نہیں آئی کہ اگر ہم مسلم ممالک یا غیر مسلم ممالک سے یا اداروں سے سودی قرضے حاصل نہ کریں تو لوگ بھوک سے مرجائیں گے یا موت کے قریب ہوجائیں گے۔ ہمارے اپنے وسائل اتنے ہیں کہ اگر انہیں اسراف وتبذیر کے بغیر استعمال کیا جائے تو ہم میں سے ہر ایک کو اس کی "ضروریاتِ اصلیہ" یعنی بنیادی ضروریات مل سکتی ہیں۔ اگر صحیح منصوبہ بندی کی جائے۔ "خود انحصاری" کی تدابیر اختیار کی جائیں اور مترفین کی فضول خرچیوں اور عیاشیوں کا سدِباب کیا جائے تو ہمارے عوام کو بنیادی ضرورت کے علاوہ مزید آرام و آسائش بھی بہم پہنچائی جاسکتی ہے، اس لیے نظریۂ ضرورت کا اطلاق سودی قرضوں اور سودی معاہدوں پر نہیں ہوسکتا اور بین الاقوامی ربا ضرورت واضطرار کی دلیل پر جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لیے کہ ضرورت واضطرار کی صورتِ حال سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

اضطرار اور ضرورت کی ایک اور صورت جبر واکراہ بھی ہے جس میں حرام کا ارتکاب قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوتا:

"مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔" (النحل ۱۶ - ۱۰۶)

(جو کوئی اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ سے انکار کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی گئی ہو درانحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن (تو وہ مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر کے لیے کھل گیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا)

اس آیت میں زبان سے کلمۂ کفر کہنے یا کوئی کفر کا عمل کرنے کی اس صورت میں اجازت دی گئی ہے جب کوئی ظالم وجابر اس پر جبر کر رہا ہو اور اس کی جان کو شدید خطرہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کر دیا جائے اور زبردستی کر کے اس کے ساتھ بدکاری کی گئی ہو تو وہ عورت گناہ گار بھی نہیں ہے اور اس پر حد بھی نافذ نہیں ہو گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (النور ۲۴-۳۳)

(اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں (یہ محض اس لیے) کہ چاہتے ہو تم دنیوی زندگی کا کچھ سامان (مال) جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا اور مہربان ہے)

لیکن اکراہ سے مراد صرف مار پیٹ اور ڈرانا دھمکانا نہیں ہے بلکہ اس کی فقہی اور قانونی صورت امام جصاصؒ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

"الاکراہ المبیح لذالک ھو ان یخاف علی نفسہ او بعض اعضاءہ التلف ان لم یفعل ما امرہ بہ فابیح لہ فی ھذہ الحال ان یظھر کلمۃ الکفر" [1]

(جو اکراہ کلمۂ کفر کہنے کو مباح بناتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے سے ڈرتا ہو۔ اگر وہ جابر کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس حال میں اس کے لیے کفر کی بات زبان سے کہہ دینا جائز ہے)

---

[1] احکام القرآن للجصاص سورۃ النحل آیت ۱۰۶

اضطرار کی اس صورتِ حال سے بھی ہم دوچار نہیں ہیں، اس لیے کہ سودی معاہدے کرنے پر ہم کو کسی نے مجبور نہیں کیا اور مجبوری کے معاہدے نافذ بھی نہیں ہو سکتے۔ جب بھی مجبوری کی صورتِ حال ختم ہوئی تو معاہدہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ اگر سابقہ معاہدوں کی بنا پر عائد شدہ سود کی ادائیگی کے لیے جبر و اکراہ کی کوئی صورتِ حال پیش آگئی تو حکومت اپنی مجبوری کی وجوہات شرعی عدالت کے سامنے پیش کرے گی۔ اگر عدالت مطمئن ہو گئی کہ جبر و اکراہ کی صورت پیش آگئی ہے تو ادائیگی کی اجازت دے دے گی، مگر یہ ادائیگی ان سرمایہ داروں کے ذریعے کرائی جائے گی جنھوں نے سودی قرضوں سے فائدہ حاصل کیا ہے۔

بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے:

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ دُنیا کے سامنے اسلامی نظام کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ دُنیا اسلام کے مبنی بر عدل نظام کی برکات و ثمرات کو دیکھ کر اسلام کی صداقت و حقانیت کی قائل ہو جائے۔ مگر جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا دستور بھی اسلامی ہے، سیاسی لیڈر بھی مسلمان ہیں اور حکمران بھی مسلمان ہیں، لیکن عملاً ہم غیر اسلامی نظامِ معیشت کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ سود کا متبادل موجود ہے، لیکن ہم اسے اپنے مُلک کے اندر بھی ۴۵ سال میں نافذ نہیں کر سکے ہیں۔ اگر عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و استحصال کے خاتمے کا حقیقی ارادہ ہے تو فوری طور پر غیر سودی نظام نافذ کر دیا جائے اور غیر اسلامی ممالک کے ساتھ بھی مضاربت و مشارکت اور دوسرے شرعی طریقوں کے مطابق تجارت اور لین دین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عزم و ہمت اور جرأت کے ساتھ بین الاقوامی مالی اداروں اور حکومتوں کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہمارا عقیدہ و نظریہ اور ہمارا آئین ہم کو سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے

ہم اپنے دین اور اپنے دستور کی رُو سے مجبور ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی سودی معاہدہ نہیں کریں گے اور پہلے سے کیے گئے سودی معاہدے فلاں تاریخ سے ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا اصل قرضہ ہم پورا ادا کریں گے لیکن سود ادا نہیں کریں گے، مگر جب ہمارے حکمران اپنے گھر کو سود کی لعنت اور نجاست سے پاک کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو بین الاقوامی ربا سے مُلک کی معیشت کو آزاد کرانے کے لیے جرأت مندانہ اقدامات کس طرح کریں گے۔

مولانا مودودیؒ کی رائے :

(الف) "مَیں یہاں مختصراً بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی حکومت اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتی ہے ؛ میرے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مُلک کے اندر سود کو بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے قدم کے طور پر بیرونی تجارت میں سود ختم کرنے کے لیے جدّوجہد کی جائے۔ مُلک کے اندر حکومت سودی لین دین کو ناجائز قرار دے اور خود بھی سود کا لینا اور دینا ترک کر دے۔ کوئی عدالت سود کی ڈگری نہ دے۔ کوئی شخص اگر سودی کاروبار کرے تو اسے فوجداری جُرم کا مجرم گردانا جائے۔ جب تک آغاز ہی میں ایسے فیصلہ کن اقدامات نہیں کیے جائیں گے اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں پیدا ہو سکے گا کہ کوئی ایسا مالیاتی نظام قائم ہو جو سود سے خالی ہو..... داخلی طور پر سود کی بندش کے بعد خارجی لین دین میں بھی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔"[1]

(ب) اگر حکومت مختلف ممالک سے غیر سودی بنیادوں پر معاہدے کرنے کی کوشش کرے۔

---

[1] رسائل و مسائل حصہ چہارم ص ۱۴۸، ۱۴۹ طبع ۱۹۸۲ء

اپنے ملک کے اندر بھی غیر سودی مالی نظام قائم کرے اور بیرونی ممالک میں اپنے تاجروں کی ادائیگی میں بھی مدد دے تو تمام مشکلات کا حل بآسانی نکالا جا سکتا ہے۔[1]

(ج) "اسلامی حکومت میں کسی مسلم یا غیر مسلم، کسی ملکی یا غیر ملکی سرمایہ دار کو سودی کاروبار کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر ملک میں سود بند کر دیا جائے تو غیر ملکی سرمایہ خود بخود بھاگنا شروع کر دے گا۔ یہ چیز انشاء اللہ ہمارے حق میں مفید ہی ہوگی۔ ہمیں تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی ملک نے غیر ملکی سرمائے کے بل پر ترقی کرنے کی کوشش کی ہو اور وہ آخر مزید پھندوں میں مدت ہائے دراز تک نہ پھنس گیا ہو۔ ہمیں اپنے ملک کے سرمائے سے تجارتی اور صنعتی نشوونما کی جدوجہد کرنی چاہیے۔"[2]

(د) "اب رہے بین الاقوامی قرضے تو اس معاملے میں یہ تو بالکل ظاہر ہی ہے کہ موجودہ سود خوار دنیا میں ہم قومی ضرورت کے لیے کہیں سے ایک پیسہ بلا سود قرض پانے کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس پہلو میں تو ہم کو تمام تر کوشش یہی کرنی ہوگی کہ ہم بیرونی قوموں سے کوئی قرض نہ لیں۔ کم از کم اس وقت تک تو ہرگز نہ لیں جب تک کہ ہم خود دوسروں کو اس امر کا نمونہ نہ دکھا دیں کہ ایک قوم اپنے ہمسایوں کو کس طرح بلا سود قرض دے سکتی ہے۔"[3]

(ھ) ایک سوال کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں:

"اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار

---

[1] رسائل و مسائل صـ۱۵۴ جلد ۴

[2] رسائل و مسائل صـ۱۵۵ جلد ۴

[3] سود صـ۲۲۶ طبع مئی ۱۹۹۰ء

نہیں کی اور نہ آج کرے گی، لیکن قرض کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے"۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ "اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے، انتظامی مشینری کی اصلاح کرنے اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے ملک کے اندر سے وسائل فراہم ہوتے رہیں گے"۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ:

"میرا اندازہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلد پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی ناگزیر صورت پیش آ ہی جائے، یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لیے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے"۔[1]

مولانا مودودیؒ کے مذکورہ بالا پانچ اقتباسات جس ترتیب سے میں نے نقل کیے ہیں، اسی ترتیب سے ان کا خلاصہ یوں نکالا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے قدم پر ملک سے سود کو ختم کیا جائے اور غیر سودی نظام قائم کیا جائے۔ مختلف ممالک سے غیر سودی معاہدے کرنے کی کوشش کی جائے۔

ملک کے اندر غیر ملکی سرمایہ داروں کو سودی کاروبار کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

جب تک ہم خود غیر سودی قرضے دینے کا نمونہ پیش نہ کر سکیں اس وقت تک ہم بیرونی قوموں سے کوئی سودی قرضہ نہ لیں۔ غیر مسلم ممالک سے ان کی شرائط پر قرضے لینا کم ہمتی ہے۔ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو بہت جلدی ہم دوسروں کو

---

[1] رسائل و مسائل ص ۱۷۳، ۱۷۴، جلد ۴

قرض دینے کے قابل ہو جائیں گے اور مُلک کے وسائل کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ہمیں بیرونی قرضوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، لیکن ایک مفروضے کے طور پر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مُلک میں سرمایہ میتسر نہیں ہے اور ضرورت ناگزیر ہے اور غیر سودی قرضہ نہیں مل سکتا تو یہ پھر اضطرار کی حالت ہو گی، اور ایسی مفروضہ صورتِ حال میں بقدرِ ضرورت سود پر قرضہ لیا جا سکتا ہے۔ مولانا مرحوم نے یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم ممالک سے سودی قرضوں کے معاہدے جاری رکھے جائیں، بلکہ وضاحت کے ساتھ صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ کوئی سودی قرضہ نہ لیا جائے، البتہ کہ اگر اضطرار کی ناگزیر صورتِ حال پیش آجائے تو رُخصت دی جا سکتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم چونکہ اضطراری حالت میں ہیں اس لیے سودی قرضے لینا جائز ہے، بلکہ ایک ممکنہ اور مفروضہ صورتِ حال کا شرعی حُکم بیان فرمایا ہے، لیکن پاکستانی قوم غریب ہونے کے باوجود اضطرار اور ضرورت کی اس صورتِ حال سے دوچار نہیں ہے جس میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔

جماعتِ اسلامی پاکستان نے ۱۹۶۷ء میں ۸ افراد پر مشتمل ایک اقتصادی پروگرام کمیٹی بنائی تھی جس کا مَیں بھی رُکن تھا۔ اس کمیٹی کی سفارشات و آراء کی روشنی میں جناب نعیم صدیقی صاحب نے ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جو ۱۹۶۹ء میں جماعت کے شعبۂ نشر و اشاعت نے شائع کیا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ :

"بیرونی قرضوں کے سلسلے میں شروع ہی سے یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم قرضوں کے بغیر کام چلا سکیں اور سرمایہ کی ضرورت کو قومی پیمانے پر سادہ زندگی اور ایثار کی روش اختیار کر کے پُورا کر سکیں۔ پھر بھی اگر ترقیاتی منصوبوں یا بڑے بڑے کارخانوں کے قیام کے لئے قرضے لینے پڑیں تو ان

سے اسلامی حکمت معیشت، طبع ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۲

کے بارے میں یہ کوشش مسلسل جاری رہنی چاہیے کہ ایک طرف علمی لٹریچر کے ذریعے اور دوسری طرف عملی حالات و نتائج اور اعداد و شمار کے ذریعے ہم قرض دہندگان کو یہ یقین دلائیں کہ سود کے بجائے ہمارے اصول پر معاملہ کرنا ان کے لیے بھی زیادہ نفع بخش ہے اور وہ ترقیاتی اسکیموں کی نفع آوری میں سے معقول حصہ پا سکتے ہیں، لیکن جب تک اس میں کامیابی نہ ہو تو ناگزیر حد تک جو قرضے لیے جائیں ان پر سود ادا کرنا ایک طرح کا اجتماعی اضطرار ہوگا۔" ؎

مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میں نے اس مسئلے میں اپنی رائے کن الفاظ میں نوٹ کروائی تھی۔ میری اصل رائے وہ ہے جو اس وقت پیش کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم اضطراری صورتِ حال سے دوچار نہیں ہیں، لہٰذا سودی قرضے لینا جائز نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کتابچے میں ناگزیر اور اضطرار کی حالت کا ذکر ہوا ہے جس میں حرام بقدر ضرورت حلال ہو جاتا ہے، مگر یہ صورتِ حال پیش نہیں آئی۔

سودی معاہدوں اور ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سُنّت کے خلاف ہے

اب ہمیں آغاز میں ذکر کردہ چار تنقیح طلب امور میں سے اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے کہ کیا غیر مُلکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ کیے جانے والے سودی قرضوں کے معاہدوں اور سودی رقوم کی ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دینا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں! قرآن و سُنّت کے احکام کی پابندی سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرنا اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ اور قرآن و سُنّت کی بالادستی اور برتری کے خلاف ہے اور ایمان کے مقتضیات کی ضد ہے جس کا حق کسی مسلمان حکومت یا مسلمان ادارے

یا مسلمان فرد کو حاصل نہیں ہے۔ نفاذِ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۳ (۲) کے خلافِ اسلام ہونے کے ثبوت میں مَیں نے جو آیات اس موقّر عدالت کی خدمت میں پیش کی تھیں وہ اس دفعہ کے خلافِ اسلام ہونے کے ثبوت میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، چونکہ اس نکتے پر مَیں اپنی تفصیلی معروضات دفعہ ۳ (۲) پر بحث کے دوران ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو پیش کر چکا ہوں، اس لیے اس وقت صرف آیات کے حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں :

البقرہ - ۸۵، ۲۰۸، ۲۰۹

النساء - ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۵

المائدہ - ۵۰

الانعام - ۵۷

یوسف - ۴۰

الحجر - ۸۹ تا ۹۳

النور - ۴۸ تا ۵۱

الاحزاب - ۳۶

الشوریٰ - ۱۰

الجاثیہ - ۱۸

المجادلہ - ۵، ۲۰

ان آیات کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ربا کی حرمت کے بارے میں جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ربا کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اسلامی حکومت اور اداروں کے سُودی معاہدے اور سودی ادائیگیاں بھی حرام ہیں۔ خواہ غیر مسلم ممالک اور اداروں کے ساتھ یہ لین دین کیا جائے یا مُسلم ممالک اور مُسلم اداروں کے ساتھ کیا جائے، تو یہ استثنائی دفعہ حرمت ربا کی آیات و احادیث کے بھی خلاف ہے۔

مذکورہ شرعی دلائل کی بنا پر میرا مشورہ اور رائے یہ ہے کہ یہ عدالت اس دفعہ ۱۸ کو بھی خلافِ اسلام قرار دے دے، البتہ اگر عاید شدہ سودی رقوم کی ادائیگی پر حکومت اپنے آپ کو مجبور پاتی ہو تو اپنی مجبوری کی وجوہ عدالت کے سامنے پیش کرے اور عدالت ان پر غور کر کے مناسب فیصلہ دے، مگر قانون میں سودی معاہدوں کو باقی رکھنے اور آئندہ کے لیے بھی سودی معاہدے کرنے کی شق رکھنا اسلام کے خلاف ہے۔

آخر میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے قرض لے کر کام چلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حوصلہ شکنی کی ہے، البتہ قرض دینے کی فضیلت میں احادیث موجود ہیں۔ اسلام نے اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے اور اپنے دستیاب وسائل سے کام لینے کی ترغیب دلائی ہے۔ خود انحصاری اور اپنے پاؤں چادر کے مطابق پھیلانے کی روش اختیار کی جائے۔ یہی شریعت کا تقاضا ہے اور یہی عقل و خرد کا تقاضا ہے۔ غیر ملکی سودی قرضوں نے صرف ہماری معیشت ہی کو غیر متوازن نہیں بنایا، بلکہ ہماری سیاست کو بھی ان قرضوں کے پھندوں میں پھنسا دیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ شرعی عدالت ان پھندوں کو توڑنے میں اپنا کردار ادا کرے!!!

گوہر رحمان

مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن، مردان

حُرمتِ سُود

اشکالات کا علمی جائزہ

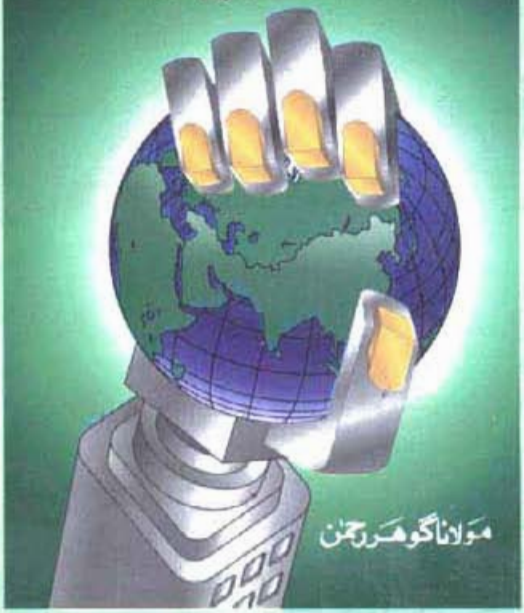

مولانا گوہر رحمٰن

ادارۂ معارفِ اسلامی
منصورہ ○ لاہور ○ پاکستان